فہرست

اداریہ	ابتدا تیرے نام سے	صائمہ اسما	5
انوار ربانی	دعا	ڈاکٹر مقبول احمد شاہد	7
قولِ نبیؐ	اللہ کی راہ میں خرچ	ڈاکٹر فضل عظیم	12
خاص مضمون	تدریس قرآنِ مجید کے تقاضے	ڈاکٹر آسیہ شبیر	17
نوائے شوق	نعت	اسرار احمد سہاروی (مرحوم)	21
	نعت	شمیم فاطمہ	21
	غزل	نصر اللہ خان عزیزؔ	22
	غزل	شہود ہاشمی	22
	عید	طاہرہ فرحت	23
	غزل	فریدہ خانم	23
حقیقت وافسانہ	پانیوں پر قدم	نصرت یوسف	25
	خالی دامن	راشدہ سعید	29
	اعتراف	سارہ اسماعیل	34
طویل کہانی	واپسی	ام ایمان	38
نامور خواتین کا تذکرہ	حضرت لیاؓ زوجہ حضرت ایوبؑ	آسیہ راشد	45
سفرِ سعادت	حرم کی دنیا	زہرا نہالہ	49
	ایسا ہی ہوا	قانتہ رابعہ	52
ہلکا پھلکا	چلتے چلتے	فرزانہ چیمہ	54
	تماشا مرے آگے	روبینہ عاطف	58
خفتگانِ خاک	مشعل پروین میری پیاری بہن	غزالہ عزیز	60
انشائیہ	میرا رب ضرور سنتا ہے	شمیم فاطمہ	64
حسنِ معاشرت	چند اہم اخلاقی اصول	ڈاکٹر شگفتہ نقوی	68
نہاں خانۂ دل	ہر گلی کوچے میں بازار لہو گرم ہوا	شہود ہاشمی	71
غذا وصحت	امراضِ قلب سے بچاؤ	ڈاکٹر دیوی شتی	73
	انار کھایئے بیماریاں بھگایئے	آسیہ راشد	76
گوشۂ تسنیم	گستاخِ رسولؐ کو جواب کیا ہو	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	78
محفلِ خیال	زیب اسد		80

ابتدا تیرے نام سے

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ ملالہ یوسف زئی کو جلد صحت یاب کرے۔ اس پر اور اس کی ساتھی بچیوں پر نامعلوم حملہ آوروں کی فائرنگ کا واقعہ اس طرح موضوعِ بحث بنا ہوا ہے کہ یوں لگتا ہے پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ کسی بچی کی جان ضائع نہیں ہوئی، مگر ملالہ کو جو وی وی آئی پی طرز کا سلوک مل رہا ہے، اس نے بہت سے سوالات اور خدشات کو جنم دیا ہے جواب واضح طور پر سامنے بھی آ رہے ہیں۔

اس واقعے کو جو اہمیت دی جا رہی ہے اس کا تجزیہ ہونا خود واقعے سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ جس ملک میں انسانی جان کی قدر و قیمت کیڑوں مکوڑوں سے بدتر ہو چکی ہو، بلوچستان اور کراچی میں پرامن، تعلیم یافتہ، پیشہ ورانہ ماہرین اور فلاحی اداروں کے ان تھک کارکن دن دہاڑے قتل کر دیے جاتے ہوں، ڈرون حملوں میں خونِ ناحق کا حساب رکھنے والا کوئی نہ ہو، لاپتہ افراد کی جانوں کی کوئی ضمانت نہ ہو، ریمنڈ ڈیوس جیسے غنڈے دندناتے جانیں لیتے پھرتے ہوں، وہاں ایک کم سن لڑکی فائرنگ کی زد میں آئے اور اوباما، بانکی مون، ہلیری کلنٹن اور میڈونا سے لے کر حامد کرزئی، زرداری اور پرویز اشرف سمیت تمام حکومتی عہدیداران بڑھ چڑھ کر تشویش اور تکلیف کا اظہار کریں، امریکہ اور یورپ میں اس کے لیے شمعیں جلائی جا رہی ہوں، پاکستان میں چند فیشن زدہ چہروں کو پلے کارڈ پکڑائے جائیں کہ Drones kill so that Malala can live تو کون کہے گا کہ معاملہ اتنا سیدھا ہے جتنا دکھایا جا رہا ہے۔ اس سے قبل سوات میں ایک جعلی ویڈیو ریلیز کروا کر بھی تقریباً ایسا ہی شور مچایا گیا تھا۔

بے چاری ملالہ کے نام پر تیار کی گئی اس کہانی کا ہر پہلو قابل مذمت ہے۔ ایک معصوم بچی کو امریکہ کے مذموم سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جانا، اس کو اس آگ میں ایندھن بنا کر جھونک دینا بے حد تکلیف دہ امر ہے۔ ساتھ ہی پاکستان کی دنیا بھر میں بدنامی ہوئی ہے اور ''سوفٹ امیج'' دینے کی جتنی بھی کوششیں کی گئیں ان پر پانی پھر گیا ہے۔ دنیا کے کونے کونے میں پاکستان کا یہ امیج پہنچا کہ یہاں تعلیم کا شوق رکھنے والی لڑکیوں کو گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔ اس واقعے کی نہ صرف خلافِ تناسب، بلکہ خلافِ واقعہ تشہیر کی گئی۔ طالبان سے اتنے ''قریبی رابطے'' کے باوجود نہ کوئی مجرم پکڑا گیا اور نہ کوئی سزا ہوئی، مگر بہت سے حلقوں نے اس واقعے کی بنیاد پر شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کا خدشہ ظاہر کیا ہے۔

اگر پاکستان میں یہی حالات ہوتے جو اس واقعے کے ذریعے دنیا بھر میں پیش کیے جا رہے ہیں تو متعدد سروے میں یہ نتائج سامنے نہ آتے کہ پاکستانی عوام کی بھاری اکثریت طالبان کو نہیں، امریکہ کو اپنے امن و امان اور سلامتی کے لیے خطرہ سمجھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ملالہ اور دیگر بچیوں کو جلد صحت یاب کرے اور اس واقعے کے ذریعے پاکستان کو جو خانہ جنگی میں مبتلا کرنے کی کوشش

کی جارہی ہے ہمیں اس کو نا کام بنانے کی اہلیت دے آمین۔

بلوچستان کی صورتحال پر قابو پانے کے لیے سپریم کورٹ نے 13 نکاتی عبوری حکم جاری کیا جو حالات کے ٹھوس تجزیے پر مبنی ہے اور وفاقی وصوبائی حکومت کو نہایت اہم امور پر فوری ایکشن لینے کی ہدایت کرتا ہے۔اس میں امن وامان قائم کرنے، بدانتظامی دور کرنے، جان و مال کے تحفظ، ترقیاتی فنڈز کے صحیح استعمال، احساسِ محرومی کی دوری، میڈیا کے ذمہ دارانہ کردار، انتخابات کے لیے سازگار ماحول کی تشکیل، جرائم کی غیر جانبدارانہ تحقیقات اور مجرموں کی گرفتاری جیسے اہم امور پر حکومت کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس حکم نامے کے مطابق آئین کے تحت اس وقت بلوچستان کی صوبائی حکومت حکمرانی کا استحقاق کھو چکی ہے۔مگر افسوس کہ اب تک وفاقی حکومت کی جانب سے اس حکم نامے پر عملدرآمد کے سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔اپنے رنگیلا شاہی طرزِ حکمرانی میں مست ہمارے حکمران اپنے ملک کے جلتے ہوئے حصوں کو نظرانداز کر کے اقتدار کی بانسری بجانے میں مصروف ہیں۔

سپریم کورٹ کا حالیہ فیصلہ قابلِ تحسین ہے جس میں سابق صدر غلام اسحاق خان اور فوج کے دو جرنیلوں کو سیاسی جوڑ توڑ کی بنا پر مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔فوج کا سیاست میں کوئی بھی کردار کسی صورت قابل قبول نہیں ہے اور جب تک جمہوریت جڑ نہیں پکڑتی، پاکستان مسائل کے گرداب سے نہیں نکل سکتا۔ نیز جماعت اسلامی نے آئی جے آئی کی تشکیل میں فوج سے فنڈ لینے کی سختی سے تردید کی ہے بلکہ سپریم کورٹ میں پٹیشن دائر کی ہے کہ فنڈز کس کو دیے گئے اس کا نام اور ثبوت دیے جائیں۔اس پٹیشن پر بھی فیصلہ سامنے آنا چاہیے تاکہ عوام پر حقیقت حال واضح ہو۔فیصلے کے جن حصوں کو ''ملکی مفاد'' کی خاطر چھپایا گیا ہے، ان کو بھی پبلک کیا جائے تاکہ عوام اچھی طرح اپنے مجرموں کو پہچان سکیں۔ بریگیڈیئر حامد سعید کا بیان بھی غور طلب ہے جس میں انھوں نے بےنظیر بھٹو کی جانب سے نیوکلیائی پروگرام رول بیک کرنے کے خطرے کو آئی جے آئی بننے کا محرک قرار دیا ہے۔

ہماری عدالتیں اگر ہر دور میں اسی طرح چوکنا رہتیں اور نظریۂ ضرورت جیسے فلسفے نہ گھڑتیں تو پاکستان میں جمہوریت پر فوج کا شب خون مارنا اتنا آسان نہ رہتا جس کے نتائج ہم بحیثیت قوم بھگت رہے ہیں۔اب تمام حقائق بلاکم وکاست سامنے آنے چاہئیں تاکہ عوام ووٹ کے ذریعے اپنے مجرموں کا احتساب کر سکیں۔

دعاگو

صائمہ اسماء

دعا

دعا سے تقدیر بدلنا

یہ تصور درست نہیں کہ انسانوں اور قوموں کی تقدیریں لکھی جا چکی ہیں اور ان میں ردو بدل نہیں ہوسکتا اس لیے دعا مانگنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ دعا مانگنے میں ہی یہ بات شامل ہے کہ یا اللہ میں اس وقت بری تقدیر کا شکار ہو گیا ہوں اور مجھے اس میں کسی تبدیلی کے آثار نظر نہیں آ رہے، مجھ پر رحم فرما، میری تقدیر بدل دے۔ خود قرآن میں قوموں اور افراد کی تقدیر میں دعا سے تبدیلی کی مثالیں موجود ہیں۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے۔ ان کی تقدیر یہ تھی کہ بے اولاد تھے، بیوی بانجھ تھی خود بوڑھے ہو کر سوکھ چکے تھے۔ خود اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے طبعی قوانین کے تحت ان حالات میں اولاد ہونا ممکن نہیں تھا۔ لیکن ان کی دعا قبول ہوئی اور تقدیر بدل دی گئی۔ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں بھی یہی بات کہی گئی۔ انھوں نے اعتراف نعمت کے طور پر عرض کیا۔ ''اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق جیسے بیٹے دیے، حقیقت یہ ہے کہ میرا رب ضرور دعا سنتا ہے۔'' (ابراہیم ۳۹)۔ حضرت یونسؑ کی قوم کے حق میں عذاب کا فیصلہ ہو چکا تھا لیکن وہ عذاب کے آثار دیکھ کر اپنے شہر سے باہر ایک میدان میں جمع ہو گئے اور آہ وزاری کے ساتھ اللہ سے دعائیں مانگیں، اور ایمان قبول کیا، اللہ نے ان کی تقدیر بدل دی اور عذاب ان سے ٹال دیا گیا۔ خود حضرت یونسؑ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اگر وہ مچھلی کے پیٹ سے اپنے قصور کا اعتراف نہ کرتے اور اللہ سے معافی نہ مانگتے تو مچھلی کے جسم کا ہی حصہ بن جاتے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو یہ پیشکش کی گئی اگر تم اللہ سے استغفار کرو گے تو وہ تمھیں ایک لمبی مدت تک اس زمین میں بسنے کی مہلت دے گا اور تمھارے رزق میں اور اولاد میں اضافہ کرے گا۔ لیکن انھوں نے استغفار کا راستہ نہ اپنایا اور بری تقدیر کا شکار ہو گئے۔ ایسی ہی پیشکش قوم عاد کو کی گئی تھی انھوں نے بھی انکار کیا اور تباہ ہوئے۔

یہی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ ترمذی میں حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تقدیر کو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی مگر دعا۔ یعنی اللہ کے فیصلے کو بدلنے کی طاقت کسی میں نہیں لیکن اللہ خود اپنا فیصلہ بدل سکتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب بندہ اس سے دعا مانگتا ہے۔

دعا کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل گیا، اس کے لیے رحمت کے دروازے کھل گئے اور اللہ سے جو کچھ مانگا

جاتا ہے اس میں بندے کی طرف سے عافیت کی دعا اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔'' (ترمذی)

عافیت کا مطلب ہے تمام دنیوی و اخروی اور ظاہری و باطنی آفات اور مصائب سے سلامتی اور تحفظ حاصل ہونا۔ جو شخص اللہ سے عافیت کی دعا مانگتا ہے وہ برملا اس بات کا اعتراف اور اظہار کرتا ہے کہ اللہ کی حفاظت اور کرم کے بغیر اسے دنیا اور آخرت کی کوئی بھلائی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ الفاظ سکھائے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (ترمذی)

''یا اللہ ہم بے شک تجھ سے دنیا اور آخرت میں عفو و درگذر اور عافیت مانگتے ہیں۔''

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اللہ سے نہ مانگے، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ (ترمذی)

یعنی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اس سے ہمیشہ اچھی دعائیں مانگتا رہے۔ ہم انسانوں کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہم سے کچھ مانگے تو ہمیں ناگوار گزرتا ہے لیکن اللہ ایسا رحیم و کریم اور بندوں پر ایسا مہربان ہے کہ وہ اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ کوئی اس سے مانگے اور وہ اس کو دے۔ اس لیے اللہ سے مانگو تو بے حساب مانگو کہ وہ واپسی کا مطالبہ نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ اللہ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کے بندے اس سے دعا کریں اور مانگیں، اور فرمایا اس بات کا انتظار کرنا کہ وہ میری بلا اور پریشانی کو اپنے کرم سے دور فرمائے گا، اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ (ترمذی)

دعا کی نافعیت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا کارآمد اور نفع مند ہوتی ہے ان حوادث میں بھی جو نازل ہو چکے ہیں، اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے۔ پس اے اللہ کے بندو دعا کا اہتمام کرو۔ (ترمذی)

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھارے پروردگار میں بدرجۂ غایت حیا اور کرم کی صفت ہے، جب بندہ اس کے آگے مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ ان کو خالی واپس کردے۔ (ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کو اپنی حاجت اللہ سے مانگنی چاہیے۔ حتیٰ کہ اس کی جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ سے دعا کرے۔ (ترمذی)

یعنی ایسی چیزیں جو انسان کو بظاہر اپنی تدبیر سے حاصل ہوتی نظر آرہی ہوں ان کے بارے میں بھی اپنی تدبیر کے بجائے اللہ کی مدد پر بھروسا کرے کیونکہ کوئی تدبیر اللہ کی تائید کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔ تدبیر سے پہلے دعا کے معنی یہ ہیں

کہ بندہ ہر وقت اپنی عاجزی اور اللہ کی بالادستی کا اعتراف کر رہا ہے۔

✎ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمھیں وہ عمل بتاؤں جو تمھارے دشمنوں سے تمھارا بچاؤ کرے اور تمھیں بھرپور روزی دلائے .....وہ یہ کہ دن رات اللہ سے دعا کرتے رہو کیونکہ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔(مسند ابویعلی موصلی)

دعا کی قبولیت

✎ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ سے دعا مانگو تو اس یقین کے ساتھ مانگو کہ وہ ضرور قبول فرمائے گا۔ اور جان لو کہ اللہ اس کی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل دعا کے وقت اللہ سے غافل اور بے پرواہ ہو۔(ترمذی)

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص زبان سے دعا کے الفاظ ادا کر رہا ہوتا ہے اور دھیان اس کا کہیں اور ہوتا ہے، اسی طرح لوگ قرآن وحدیث کی دعائیں زبان سے پڑھتے ہیں لیکن ان کے مطلب ومعنی سے ناواقف ہوتے ہیں، انھیں یہ پتہ نہیں ہوتا کہ ہم کہہ کیا رہے ہیں، مسجدوں میں فرض نمازوں کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے اس میں اکثر ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے۔

✎ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اس طرح نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے، اور تو چاہے تو مجھ پر رحمت فرما، اور تو چاہے تو مجھے روزی دے بلکہ اپنی طرف سے عزم اور قطعیت کے ساتھ اللہ کے حضور اپنی مانگ رکھے۔ بے شک وہ کرے گا وہی جو وہ چاہے گا۔ کوئی ایسا نہیں جو زور ڈال کر اس سے کروالے۔(صحیح بخاری)

✎ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی یہ چاہے کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے تو اس کو چاہیے کہ عافیت اور خوشحالی کے زمانے میں دعا زیادہ کیا کرے۔(ترمذی)

✎ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ خدائے بزرگ وبرتر ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو اگر اول سے آخر تک سب انسان اور جن ایک میدان میں جمع ہو جائیں، اور مجھ سے اپنی مرادیں مانگیں اور میں ہر ایک کی مرادیں پوری کر دوں تو اس سے میرے خزانوں میں اتنا بھی کم نہیں ہوسکتا جتنا کہ ایک سوئی کو دریا میں داخل کر کے نکال لینے سے (دریا کا پانی کم ہوتا ہے)۔(مسلم)

✎ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے، جب تک تو مجھ سے دعا کرتا رہے گا اور مجھ سے امید لگائے رکھے گا میں تجھے بخشتا رہوں گا، چاہے تو نے کتنے ہی گناہ کیے ہوں میں پرواہ نہیں کروں گا۔ اے آدم کے بیٹے اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں اور پھر تو مجھ سے بخشش مانگے تو میں تجھے بخش دوں گا اور (تیرے گناہوں کی) پرواہ نہیں کروں گا۔ اے آدم کے بیٹے اگر تو زمین بھر خطائیں لے کر بھی میرے پاس آئے گا اور پھر تو اس حالت میں مجھ سے ملے گا کہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ

کیا ہوگا تو میں تجھے زمین بھر بخشش عطا کردوں گا۔(ترمذی)

حضرت عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ روئے زمین پر جو مسلمان بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگتا ہے تو یا تو اس کو وہی چیز مل جاتی ہے جو اس نے مانگی تھی یا اس سے کوئی مصیبت اور تکلیف دور کر دی جاتی ہے، جب تک کہ وہ کسی گناہ کے کام اور قطع رحمی کی دعا نہ مانگے۔(ترمذی)

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم پر لازم ہے نیک کاموں کا حکم دیتے رہو اور برائیوں سے منع کرتے رہو، ورنہ اس بات کا خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر کوئی عذاب آ جائے پھر تم دعا مانگو کہ عذاب دور ہو جائے لیکن تمھاری دعا قبول نہ ہو۔(ترمذی)

رزق حرام کے ساتھ دعا قبول نہیں

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے، اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی سب اپنے مومن بندوں کو دیا ہے۔ پیغمبروں کے لیے اس کا ارشاد ہے ''اے رسولو! تم کھاؤ پاک اور حلال رزق اور عمل کرو صالح اور میں تمھارے اعمال خوب جانتا ہوں۔'' اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے اس نے فرمایا ہے کہ ''اے ایمان والو تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ (اور حرام سے بچو)'' اس کے بعد حضورؐ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو طویل سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر) ایسی حالت میں جاتا ہے کہ (سفر کی وجہ سے) اس کے بال پراگندہ ہیں اور جسم اور کپڑوں پر گرد و غبار ہے اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے۔ ''اے میرے رب! اے میرے پروردگار!'' اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس بھی حرام ہے اور حرام غذا سے اس نے نشو و نما پائی ہے، تو اس آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی۔(صحیح مسلم)

دعا میں عجلت طلبی کی ممانعت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تمھاری دعائیں اس وقت تک قابل قبول ہوتی ہیں جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے، (اور جلد بازی یہ ہے کہ) بندہ کہنے لگے کہ میں دعا مانگتا رہا مگر وہ قبول ہی نہیں ہوئی (اور دعا کرنا چھوڑ دے)۔(صحیح بخاری)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہم سے زیادہ اس بات کا علم ہے کہ بندہ اس سے جو کچھ مانگ رہا ہے وہ کب اس کے لیے مفید ہے اور مفید ہے بھی یا نہیں۔ بندے کا کام دعا مانگتے رہنا ہے، اگر بظاہر دعا قبول نہ بھی ہو تو دعا مانگنے کا اجر تو ضرور ملتا رہے گا۔

وہ دعائیں جن کی ممانعت ہے

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کبھی اپنے حق میں یا اپنی اولاد، مال و جائیداد کے حق میں بد دعا نہ کرو، مبادا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہو اور اللہ تعالیٰ تمھاری وہ دعا قبول فرما لے (جس کے نتیجے میں خود تم پر یا تمھاری اولاد و مال پر کوئی آفت آ جائے)۔(صحیح مسلم)

✎ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اپنی موت کی تمنا نہ کرے، نہ جلد موت آنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کیونکہ جب موت آ جائے گی عمل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور بندۂ مومن کی عمر تو اس کے لیے خیر ہی میں اضافہ اور ترقی کا وسیلہ ہے۔ (صحیح مسلم)

✎ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ موت کی دعا اور تمنا نہ کرو اور اگر کوئی ایسا کرنے پر مجبور ہی ہو جائے تو اللہ کے حضور میں یوں عرض کرے۔ ''اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے دنیا سے اٹھا لے۔'' (سنن نسائی)

✎ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیمار کی عیادت کے لیے گئے تو دیکھا کہ وہ سوکھ کر چڑیا کے بچے کی مانند ہو گیا ہے۔ نبی کریمؐ نے اس سے دریافت کیا، کیا تم کوئی دعا مانگتے رہے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں، میں یہ دعا مانگتا رہا ہوں کہ اے اللہ تو آخرت میں مجھے جو عذاب دینا چاہتا ہے وہ ابھی دنیا میں ہی دے دے۔ آپؐ نے فرمایا، سبحان اللہ تو اس کی طاقت نہیں رکھتا، تو نے یہ دعا کیوں نہ مانگی۔ 'ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة و قنا عذاب النار'، ''یا اللہ مجھے دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور مجھے آگ کے عذاب سے بچا لے۔'' پھر آپؐ نے اس کے لیے دعا کی اور وہ صحت یاب ہو گیا۔ (صحیح مسلم)

اپنے لیے دعا کی درخواست

✎ حضرت عمرؓ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے عمرہ کرنے کے لیے مکہ معظّمہ جانے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ نے مجھے اجازت عطا فرما دی اور فرمایا: ''بھیا ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں شامل کرنا اور ہم کو بھول نہ جانا۔'' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے مجھے مخاطب فرما کر بھیا (یَا اُخَیَّ) کا جو کلمہ کہا، اگر اس کے عوض مجھے ساری دنیا دے دی جائے تو میں لینے پر راضی نہ ہوں گا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

✎ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مریض کی عیادت کیا کرو اور اس سے درخواست کیا کرو کہ وہ تمھارے لیے اللہ سے دعا کرے کیونکہ مریض کی دعا بلاشبہ قبول ہوتی ہے اور اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ (الترغیب والترہیب)

✎ حضرت عمر بن الخطابؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس سے درخواست کرو کہ وہ تمھارے حق میں دعا کرے کہ اس کی دعا فرشتوں کی مانند ہوتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

وہ دعائیں جو خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں

✎ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کی اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے غائبانہ دعا قبول کی جاتی ہے۔ اس کے پاس ایک فرشتہ ہے جس کی یہ ڈیوٹی ہے کہ جب وہ اپنے کسی بھائی کے لیے (غائبانہ) کوئی اچھی دعا کرے تو فرشتہ کہتا ہے، تیری

یہ دعا اللہ قبول کرے اور تیرے لیے بھی اسی طرح کا خیر عطا فرمائے۔(صحیح مسلم)

✎ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین دعائیں ہیں جو خاص طور سے قبول ہوتی ہیں اور ان کی قبولیت میں شک ہی نہیں۔ایک اولاد کے حق میں ماں باپ کی دعا، دوسرے مسافر اور پردیسی کی دعا، تیسرے مظلوم کی دعا۔(ترمذی،ابوداؤد)

✎ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ آدمیوں کی دعائیں خاص طور پر قبول ہوتی ہیں۔مظلوم کی دعا جب تک وہ بدلہ نہ لیوے، حج کرنے والے کی دعا جب تک وہ لوٹ کر گھر واپس نہ آجائے،راہِ حق میں جہاد کرنے والے کی دعا جب تک وہ شہید ہوکر دنیا سے لاپتہ نہ ہوجائے، بیمار کی دعا جب تک وہ شفایاب نہ ہو،اور ایک بھائی کی دوسرے بھائی کے لیے غائبانہ دعا۔ یہ سب بیان فرمانے کے بعد آپؐ نے فرمایا، ان دعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی دعا کسی کی اپنے مسلمان بھائی کے لیے غائبانہ دعا ہے۔(دعوات کبیر للبیہقی)

✎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دعائیں قبول ہونے میں کوئی شک نہیں۔باپ کی بددعا اولاد کے لیے، مسافر کی دعا اور مظلوم کی دعا۔(صحیح الجامع)

✎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین دعائیں ایسی ہیں جو رد نہیں ہوتیں۔ باپ کی دعا اپنی اولاد کے لیے، روزہ دار کی دعا،مسافر کی دعا۔(صحیح الجامع)

✎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی بندہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اس وقت وہ اگر انا للہ وانا الیہ راجعون کہے اور اپنی مصیبت کا ذکر کرکے اللہ سے نجات کی دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے اس مصیبت سے نجات دلاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

☆☆☆

ڈاکٹر فضل عظیم

اللہ کی راہ میں خرچ

اللہ کی راہ میں خرچ کی برکات

اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی اصل برکات تو آخرت ہی میں حاصل ہوں گی لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا اللہ نے دنیا میں بھی وعدہ کیا ہے۔ ذیل میں قرآن و حدیث کے حوالوں سے کچھ باتیں درج کی جارہی ہیں:

مال میں اضافہ

جب کوئی مسلمان فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے کہ اتنا مال دے دو گے تو فقیر ہو جاؤ گے۔ اتنی محنت سے کمایا ہوا مال ایسے ہی لوگوں میں بانٹ دو گے۔ تم پر کسی کی کیا ذمہ داری ہے؟ تمھارے بال بچوں کا کیا بنے گا وغیرہ وغیرہ۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمائی ہے۔

● ''شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تمھیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے، اللہ بڑا فراخ دست اور علم رکھنے والا ہے۔'' (البقرہ ۲۶۸)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی رزق کم کرنے اور کشادہ کرنے پر اختیار رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کے ساتھ اس کا وعدہ قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

● ''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اس طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا کرتا ہے اور اللہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔'' (البقرہ ۲۶۱)

● ''تم میں کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے تا کہ اللہ کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے۔ گھٹانا بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور بڑھانا بھی اور اس کی طرف تمھیں پلٹ کر جانا ہے۔'' (البقرہ ۲۴۵)

● ''اللہ سود کو برباد کرتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔'' (البقرہ ۲۸۶)

● ''اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے، اس کا پورا پورا بدل تمھاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمھارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔'' (انفال ۶۰)

● ''جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں، یقیناً وہ ایسی تجارت کے متوقع ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا تا کہ اللہ ان کے اجر پورے کے پورے ان کو دے اور مزید اپنے فضل سے

ان کو عطا فرمائے۔'' (فاطر ۲۹-۳۰)

● ''مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقات دینے والے ہیں اور جنھوں نے اللہ کو قرض حسن دیا ہے، ان کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین اجر ہے۔'' (الحدید ۱۸)

● ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ''نہیں ہے کوئی ایسا دن کہ جس میں صبح کے وقت دو فرشتے نہ اترتے ہوں، ان میں سے ایک تو یہ کہتا رہتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا بدل دے یعنی جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اس کو اس سے زیادہ دے اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ بخیل کے مال کو تلف کر دے۔'' (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی دولت میں اضافہ ہو اور اس کی عمر لمبی ہو تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔'' (یعنی اپنے رشتہ داروں کا خیال کرے اور ان کی مالی لحاظ سے بھی خبر گیری کرے)۔ (بخاری)

نیکی کے کاموں میں آسانی

اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نیکی کے راستے پر چلنا آسان کر دیتا ہے اور انفاق فی سبیل اللہ کے علاوہ دوسری نیکیاں بھی اس کے لیے آسان ہو جاتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جس نے راہ خدا میں مال دیا اور خدا کی نافرمانی سے پرہیز کیا، اور بھلائی کو سچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔'' (اللیل ۵-۷)

گناہوں کی مغفرت اور جنت کی بشارت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

● ''اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ان میں بارہ نقیب مقرر کیے تھے اور ان سے کہا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دی اور میرے رسولوں کو مانا اور ان کی مدد کی اور اپنے خدا کو اچھا قرض دیتے رہے تو یقین کرو میں تمھاری برائیاں تم سے زائل کر دوں گا اور تمھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، مگر اس کے بعد جس نے تم میں سے کفر کی روش اختیار کی تو درحقیقت اس نے راہ راست گم کر دی۔'' (المائدہ ۱۲)

● ''اے نبی تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انھیں پاک کرو اور ان کا تزکیہ کرو اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو کیونکہ تمھاری دعا اُن کے لیے وجہ تسکین ہوگی۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے صدقات کو قبولیت عطا فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔'' (التوبہ ۱۰۳-۱۰۴)

● ''اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو وہ تمھیں کئی گنا بڑھا کر دے گا اور تمھارے قصوروں سے درگذر فرمائے گا۔ اللہ بڑا قدر دان اور بردبار ہے۔'' (التغابن ۱۷)

انفاق-قرب الٰہی کا ذریعہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

● ''اور انھی بدویوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ

اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں تقرب کا اور رسولؐ کی طرف سے رحمت کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ہاں! وہ ضرور ان کے تقرب کا ذریعہ ہے، اور اللہ ان کو ضرور اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ درگذر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔'' (التوبہ ۹۹)

صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے

صدقہ گناہوں کے کفارے اور مصیبت کو دور کرنے کا باعث ہے نیز ہر نیک کام کے بعد دعا قبول ہوتی ہے لہٰذا صدقہ کر کے دعا کرنا قبولیت دعا کا ذریعہ ہے۔ صدقہ بلاؤں کو ٹالتا ہے۔

● انسؓ کہتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ''صدقہ خدا کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔'' (ترمذی)

● علیؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ''جلدی کرو صدقات و خیرات دینے میں، اس لیے کہ صدقہ سے بلا نہیں بڑھتی یعنی صدقہ بلا کو رد کرتا ہے۔'' (رزین)

صدقات کے مصارف

صدقات دو طرح کے ہیں۔ فرض صدقات، اور نفل صدقات۔ فرض صدقات میں زکوٰۃ عشر اور صدقہ فطر شامل ہیں۔ شریعت نے ان کی مقدار مقرر کر دی ہے اور قرآن کریم میں ان کے مصارف کی بھی تخصیص کر دی گئی ہے اور ان کی آٹھ قسمیں بیان کر دی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

● ''یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں، اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں۔ اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور راہ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے۔'' (التوبہ ۶۰)

ان مدات کی مزید تفصیل تفہیم القرآن جلد دوم، سورہ التوبہ آیت ۶۰ کی تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اور زکوٰۃ کے بارے میں مزید مسائل کی تفصیلات پیا پبلی کیشنز کی کتاب واتوالزکوۃ میں موجود ہیں۔

جن صدقات کو عموماً نفلی صدقات کہا جاتا ہے ان کے ادا کرنے کی بھی قرآن و حدیث میں بار بار تاکید کی گئی ہے اس لیے اصل میں تو یہ بھی ایک طرح سے فرض ہی ہیں، فرق یہ ہے کہ شریعت نے ان کی مقدار مقرر نہیں کی اور صدقہ دینے والے کی صوابدید اور گنجایش پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ کتنا خرچ کرے۔ تاریخ میں حضرت عمرؓ کی مثال بھی موجود ہے کہ ضرورت پڑنے پر گھر کا آدھا سامان اٹھا لائے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مثال بھی ہے کہ گھر کا سارا اثاثہ لا کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر کر دیا تھا۔ اور اس نادار صحابی کی مثال بھی ہے کہ رات بھر ایک یہودی کے کنویں پر مزدوری کرنے جو جھولی بھر کھجوریں ملیں وہی حضورؐ کو لا کر پیش کر دیں۔

نفلی صدقات ان تمام مدات میں خرچ کیے جا سکتے ہیں

جوفرض صدقات کے لیے قرآن میں مقرر کی گئی ہیں۔ان کے علاوہ بہت سے ایسے کام ہیں جہاں فرض صدقات نہیں دیے جاسکتے لیکن نفل صدقات دیے جاسکتے ہیں۔مثال کے طور پر غیر مسلم فقراء ومساکین کی مدد کوئی ایسا رفاہ عامہ کا کام جس سے امیر غریب سب فائدہ اٹھاتے ہوں، مساجد کی تعمیر وغیرہ۔

صدقات کا ایک اہم مصرف جہاد فی سبیل اللہ ہے۔اس مد میں زکوٰۃ بھی دی جاسکتی ہے اور نفل صدقات بھی۔عموماً ایسے مواقع پر ضرورت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ صرف فرض صدقات سے وہ ضرورت پوری نہیں ہوتی۔قرآن میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خاص طور پر صدقات دینے کا حکم ہے اور اسے قرض حسنہ کہا گیا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

● ''مسلمانو! اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور خوب جان رکھو کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تاکہ اللہ کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے۔''(البقرہ ۲۴۴، ۲۴۵)

● ''کون ہے جو اللہ کو قرض دے، اچھا قرض تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اس کے لیے بہترین اجر ہے۔''(الحدید ۱۱)

● ''اللہ کے ہاں تو انھی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے، جنھوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا، وہی کامیاب لوگ ہیں۔''(التوبہ ۲۰)

● ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمھیں عذاب الیم سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، یہی تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم چاہو۔''(الصّف ۱۰-۱۱)

جب اسلام کی مغلوبیت کا زمانہ ہو، جیسا کہ آج کل ہے، ایسے دور میں اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خرچ کرنا غلبہ اسلام کے دور میں خرچ کرنے سے کہیں زیادہ افضل ہے، اگرچہ اللہ کے ہاں اجر دونوں کا ہی ملے گا۔یہی بات قرآن میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

● ''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین و آسمان کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے، تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنھوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے، ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے، اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''(الحدید ۱۰)

● حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''سات چیزوں کا ثواب بندے کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے:(۱) جس شخص نے کسی کو علم دین سکھایا۔(۲) کوئی نہر کھدوائی۔(۳) یا کنواں کھدوایا۔(۴) یا باغ لگوا دیا۔(۵) یا مسجد بنوا دی۔(۶) یا قرآن شریف وقف کیا۔(۷) یا ایسی نیک اولاد چھوڑ دی جو اس

کے مرنے کے بعد بھی برابر اس کے لیے دعائے استغفار کرتی رہے۔''

اس حدیث میں انفاق کے جو مصارف بیان کئے گئے ہیں ان کے لیے نفل صدقات ہی موزوں ہیں۔

انسانوں کے علاوہ دوسری جاندار مخلوق کو کھلانا پلانا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدقہ ہی شمار ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہے:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو مسلمان بندہ کوئی درخت لگائے یا کھیتی بوئے تو اس درخت یا کھیتی سے جو پھل یا دانہ کوئی انسان، یا کوئی پرندہ، یا کوئی چوپایہ کھائے گا وہ اس بندہ کے لیے صدقہ اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا۔'' (بخاری، مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک بدکار عورت کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے بخش دیا کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو اپنے موزے سے کنویں کے اندر سے پانی نکال کر پلایا تھا۔

اسی طرح انسانوں کو اذیت سے بچانے کے لیے ان کے راستے سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دینا بھی اللہ کے نزدیک صدقہ ہے جیسا کہ اس حدیث سے پتا چلتا ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا کوئی بندہ کسی راستے پر چلا جا رہا تھا جس پر درخت کی ایک شاخ گری پڑی تھی۔ اس بندے نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس شاخ کو یہاں سے الگ کر کے راستہ صاف کر دوں گا تاکہ بندگان خدا کو تکلیف نہ ہو (پھر اس نے ایسا ہی کیا) تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے جنت میں داخل کر دیا گیا۔'' (بخاری و مسلم)

اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کسی جانور کو اذیت میں دیکھ کر اس کی تکلیف دور کرنا بھی صدقہ ہے۔

☆☆☆

تدریسِ قرآن مجید کے تقاضے

رمضان المبارک حال ہی میں گزرا ہے۔ یہ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے۔ اسکی فضلیت میں رب العالمین نے خود ارشاد فرمایا ہے'' رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔'' اور روزوں کی فرضیت کی وجہ بھی یہی بیان کی گئی ہے کہ ''نعمتِ ہدایت پر تم اللہ تعالیٰ کی تکبیر بیان کرو اور شاید کہ تم شکر گزار بنو۔''

مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل کی صورت یہ بھی ہے کہ رمضان المبارک میں مطالعہ قرآن کا ذوق کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ گھروں میں ناظرہ پڑھنا اور قرآن مجید ختم کرنا، ترجمے کے ساتھ مطالعہ کرنا اکثر لوگوں کا معمول ہوتا ہے اور اب کئی سالوں سے اجتماعی مطالعے کا طریقہ زیادہ مقبول ہے۔ خصوصاً خواتین میں دورۂ قرآن مجید کی صورت میں۔ رمضان کی وجہ سے صبح اور دوپہر کے کھانے پینے کی مصروفیت سے فراغت ہوتی ہے تو خواتین وقت نکال کر، کہیں بھی جمع ہوکر اجتماعی مطالعے کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔

اس اجتماعی مطالعے کے فائدے انفرادی مطالعے کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔ ایسے ایک حلقے میں شریک ایک خاتون نے بتایا کہ آج کل جو رنگوں کے حساب سے الگ الگ الفاظ کا ترجمہ چھاپا گیا ہے، وہ اسے دو تین مرتبہ خود سے مطالعہ کر چکی ہے، لیکن آیات کا ربط کے اعتبار سے جو مفہوم بنتا ہے، وہ اسے سمجھ نہیں پائی تھی۔ یہ چیز اسے کلاس میں آکر حاصل ہوئی ہے جہاں ترجمہ قرآن رواں اور سلیس پڑھا جاتا ہے۔ پڑھانے والی خواتین خود تفاسیر سے تیاری کر کے آتی ہیں جن میں اس ربط کی طرف بھی اشارے ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید ایک مسلسل کلام کی صورت میں جب سامنے آتا ہے تو ایک اور طرح کا تاثر پیدا کرتا ہے۔

اسلامی تاریخ کے اولین دور سے ہی خواتین کی علوم دین سیکھنے میں دلچسپی بڑی نمایاں رہی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ازواج رسول ﷺ میں اپنی ذہانت اور شوقِ علم میں نمایاں تھیں۔ قرآن مجید کی نئی نازل ہونے والی آیات میں، اگر انہیں سمجھ نہ آتی تو بڑے معنی خیز سوالات اٹھایا کرتی تھیں۔ ایسی ایک روایت مولانا مودودیؒ نے سورۃ المومنون کی آیت نمبر ۶۰ کی تفسیر میں نقل کی ہے۔

''حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا (جب سورۃ المومنون کی یہ آیت اتری ''جن کا حال یہ ہے کہ دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور دل ان کے اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔'') کہ اے اللہ کے رسول ﷺ: اس آیت کا

مطلب یہ ہے کہ ایک شخص چوری، زنا اور شراب نوشی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرے؟ جواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔نہیں اے صدیقؓ کی بیٹی !اس سے مراد وہ شخص ہے جو نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکوۃ دیتا ہے اور پھر اللہ عزوجل سے ڈرتا رہتا ہے۔'' نبی کریم ﷺ کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ یہاں یؤتون (دینا) صرف مال دینے کے محدود معنی میں نہیں ہے بلکہ طاعت بجالانے کے وسیع معنی میں ہے۔(تفہیم القرآن۔ج/۳،صفحہ ۶۸۶، ۶۸۷)

احادیث مبارکہ میں حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہؓ وصحابیاتؓ کے ایسے کئی سوالات کا ذکر ہے جن سے قرآن مجید کے صحیح فہم کا راستہ کھلا۔خواتین کا حلقہ اس زمانے میں بھی حصول علم کا کتنا شوق رکھتا تھا، اس مشہور روایت سے واضح ہے جس میں خواتین نے رسول ﷺ سے ہفتے میں ایک دن صرف خواتین کے لئے ، الگ سے تعلیم کی درخواست کی تھی۔ نبی کریم ﷺ کے بعد، صحابہ کرامؓ کے حلقۂ درس میں بھی خواتین کی شرکت جاری رہی۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک مرتبہ ایسے ہی درس میں ایک خاتون نے سوال کیا کہ یہ جو آپ بتا رہے ہیں کہ خواتین کے لئے فلاں فلاں آرائش منع ہے مثلاً بالوں میں بال ملانا، گودنا، وغیرہ، میں نے تو یہ سب کچھ قرآن مجید میں نہیں پڑھا۔حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا۔اگر تم قرآن (صحیح طرح سے) پڑھتی تو جان لیتی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے''جو رسول تم کو دے، اسے لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔''(الحشر:۷)

☆......☆......☆

برصغیر کی تاریخ میں شاہ ولی اللہؒ وہ اولین شخصیت تھے جنہوں نے مسلمانوں کی توجہ اس طرف مبذول کروائی کہ قرآن مجید ترجمے کے ساتھ پڑھا جائے۔اس زمانے کے اہل حرفت، کاریگر اورفوجی عام طور پر تعلیم حاصل نہیں کیا کرتے تھے۔شاہ صاحب نے فرمایا کہ ان کے بچوں کو بھی بچپن میں قرآن مجید کا بس سادہ ترجمہ ایک مرتبہ ضرور پڑھا دیا جانا چاہیے۔اس طرح ساری عمر کچھیا اہم مضامین ذہن میں رچ بس جائیں گے اور دین کے نام پر انہیں کوئی گمراہ نہیں کر سکے گا۔اس مقصد کے لئے انہوں نے فارسی میں قرآن کا ترجمہ کیا تھا۔اس زمانے میں حال یہ تھا کہ لوگ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کو بدعت سمجھتے تھے اور تلوار یں سونت کر نکل آئے تھے۔

شاہ ولی اللہؒ کے بعد ان کے دو بیٹوں نے قرآن مجید کا اردو میں لفظی اور بامحاورہ ترجمہ کیا اور تیسرے بیٹے، شاہ عبدالعزیزؒ نے عوامی سطح پر درسِ قرآن کی روایت ڈالی اور قرون اولیٰ کی اس سنت کو زندہ کیا کہ خواتین بھی اس درس میں باقاعدہ شریک ہوتی تھیں اور ان میں اس زمانے کے مغل شاہی خاندان کی خواتین بھی ہوتیں۔یہی اخلاص کے ساتھ ڈالی گئی روایت آج اتنی بڑھی ہے کہ ایک ایک بستی میں کئی مقامات پر خواتین کے حلقہ درس کا جال بچھ گیا ہے۔ قرآن کلاسیں، خوشی، غمی اور دیگر اہم مواقع پر دروس قرآن اور رمضان المبارک میں دورۂ قرآن۔ اس کارِ خیر کے سارے ہی پہلو قابل تعریف ہیں۔مثلاً خواتین، خواتین میں درس کا اہتمام کرتی ہیں تو بے تکلفی کے ماحول میں سیکھنا

سکھانا انہیں آسان محسوس ہوتا ہے۔ عام طور پر ذہنی سطح ، میدان کار اور دلچسپیاں ایک جیسی ہونے کی وجہ سے خواتین زیادہ قابل فہم مثالیں دے لیتی ہیں۔سوالات کسی طرح کے بھی ہوں، پوچھتے بتاتے جھجک محسوس نہیں کرتیں۔

ان سارے فوائد کے باوجود، ایک پہلو بڑا ہی اہم ہے جو تدریسِ قرآن کی ذمہ داری اٹھانے والی خواتین سے متعلق ہے کہ کیا وہ اس مناسب اور حتی المقدور تیاری کا اہتمام کر لیتی ہیں جو اس اہم ترین فریضے کی ادائیگی کیلئے ضروری ہے؟

☆.....☆.....☆

میرے اپنے ذہن میں یہ سوال اس وقت سے بڑی شدت سے اٹھا ہے جب میں ایک خواتین کے فورم میں شریک ہوئی۔کلیدی مقرر کے طور پر وہاں ایک ایسی مخلص خاتون مدعو تھیں جو کئی سالوں سے تدریسِ قرآن سے منسلک ہیں۔انہوں نے موضوع پر سیر حاصل بحث کی اور اسلامی نقطۂ نظر سے خواتین کے حقوق کو بڑے مؤثر انداز میں بیان کیا لیکن اس وقت میں چونک گئی جب انہوں نے بیوہ خواتین کے معاملے میں قرآن مجید کی اس آیت (البقرہ:۲۴۰) سے استدلال کیا جو منسوخ ہے۔اس آیت میں بیوہ خواتین کیلئے ایک سال کا نان نفقہ اور رہائش کی وصیت کی ہدایت کی گئی تھی۔ابھی تک عدت اور وراثت کے قوانین نازل نہیں ہوئے تھے۔بعد میں (البقرہ:۲۳۴) وہ آیت نازل ہوئی جو ترتیب میں پہلے ہے۔لیکن نزول اس کا بعد میں ہوا تھا۔اس آیت کے مطابق عدتِ وفات چار مہینے دس دن مقرر کی گئی، اس کے علاوہ وراثت کے احکام آ گئے، بیوہ کا حصہ الگ اور یتیم بچوں کا حصہ بھی مقرر کر دیا گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

بعد میں گھر آ کر جب تفہیم القرآن کھولی تو دیکھا کہ اتفاق سے مولانا مودودیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں منسوخ ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ تاہم اردو کی دیگر تفاسیر میں یہ معلومات موجود ہیں۔امت کا تعامل بھی ذہن میں رہتا تو شاید اس غلط فہمی کی نوبت نہ آتی۔چنانچہ واضح رہنا چاہیے کہ اخلاص، لگن، دعوت الی اللہ کی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ ساتھ (جو بجائے خود بڑی قیمتی چیزیں ہیں اور آج کے دور میں ہر شخص کو میسر نہیں) بعض بنیادی علوم قرآن سے ہر درسِ قرآن دینے والی خاتون کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور پیدا کرے۔مثلاً یہ ناسخ و منسوخ آیات ہی کا معاملہ لیں تو پورے قرآن مجید میں صرف بیس (۲۰) آیات منسوخ ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی کی یہ رائے جمہور علمائے امت نے اختیار کی ہے۔ ان بیس میں سے بھی چند احکامی آیات نہیں ہیں۔چنانچہ اس تھوڑی سی تعداد کا مطالعہ کرنا اور اسے مستحضر رکھنا مشکل نہیں ہے۔

☆.....☆.....☆

''علوم القرآن'' کوئی مشکل علوم نہیں ہیں۔عام طور پر مفسرین دوران تفسیر ہی ان کی طرف اشارے کرتے جاتے ہیں۔لیکن ایک ''مدرس'' کیلئے ان کا کسی قدر زیادہ جاننا بہر حال ضروری ہے۔ دینی مدارس کے نصاب میں یہ شامل ہوتے ہیں اور یونیورسٹیوں کے ایم اے اور بعد کے نصاب

کا بھی حصہ۔لیکن تجربہ یہ ہے کہ وہاں بھی ذوق وشوق والے ہی کچھ حاصل کرتے ہیں۔ ہماری عام طور پر زیر مطالعہ رہنے والی تفاسیر کے مقدموں میں بھی یہ معلومات موجود ہیں۔مثلاً تفہیم القرآن کے دیباچے اور مقدمے میں مولانا مودودیؒ نے ربط آیات، قرآن مجید کی ترتیب، اس کے مضامین کی تکرار اور اسلوب قرآن پر بڑے قیمتی نکات، بہت سادہ الفاظ میں بیان کردیئے ہیں۔مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے بھی مختصر ''مقدموں'' میں علوم قرآن کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ مناسب ہوگا کہ جو خواتین تدریسِ قرآن کے اہم فریضے کو ادا کرنا چاہتی ہوں۔ وہ آیات کی تفسیر کے ساتھ ساتھ تفسیر کے مقدمے پر بھی کبھی کبھار ایک نظر ڈال لیا کریں۔

☆.....☆.....☆

مولانا گوہر رحمان: شیخ القرآن والتفسیر صوبہ سرحد کے مشہور عالم دین تھے۔منصورہ لاہور کی جامع مسجد میں کئی سال انہوں نے دورۂ تفسیر قرآن کروایا۔ اپنے دورۂ تفسیر کے آغاز میں وہ قرآن مجید کے ان علوم پر بھی لیکچر دیتے تھے جو بعد میں انہوں نے ''علوم القرآن'' کے نام سے مرتب کرکے ایک کتاب کی صورت میں چھپوا دیئے۔ ان کی یہ کتاب عالمانہ ہونے کے باوجود بے حد دلچسپ ہے۔علومِ قرآنی کا سرسری تعارف پہلے سے ہوتو اس کا مطالعہ بے حد مفید ثابت ہوگا۔اس کتاب کے اہم ابواب یوں ہیں۔النسخ فی القرآن، مضامین قرآن، متجددین کا منہج تفسیر (دین میں نئی باتیں نکالنے والے اور جدید گمراہانہ افکار کی قرآن سے سند ڈھونڈنے والے) وغیرہ۔مکتبہ معارف اسلامی منصورہ سے یہ کتاب دستیاب ہے۔

☆.....☆.....☆

اردو میں علومِ قرآن کے حوالے سے ایک اور عام فہم اور مقبول ومشہور کتاب ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی ''محاضراتِ قرآنی'' ہے۔عمومی تعلیم یافتہ اور درس کے حلقے چلانے والی خواتین کو انہوں نے بڑے سادہ، لیکن بہت معلوماتی لیکچر دیئے جو بعد میں کیسٹ سے منتقل کر کے کتابی صورت میں مکتبہ ''الفیصل'' نے شائع کیے۔علوم القرآن کی بنیادی معلومات کا خزانہ اس کتاب میں سادہ تقریری انداز میں ملتا ہے۔ بعد میں سوال وجواب بھی چھاپ دیئے گئے ہیں، جس سے بعض چیزیں اور بھی واضح ہوگئی ہیں۔

برصغیر کے علماء میں شاہ ولی اللہؒ اپنی آسان اور سادہ تحریروں کے اعتبار سے بڑے نمایاں ہیں۔علوم القرآن کے حوالے سے ان کی کتاب معلوم ومعروف اور علوم دینیہ کے نصاب کا حصہ ہے۔گرامر کے بعض مشکل مباحث کو چھوڑ کر بے حد آسان فہم اور مفید کتاب ہے۔نصابی کتاب ہونے کی وجہ سے اس کی تلخیص وتشریح کئی لوگوں نے کی ہے اور مکتبوں پر عام مل جاتی ہے۔ شاہ ولی اللہ کی اس کتاب میں بعض نکات بڑے چشم کشا ہیں۔مثلاً

☆ لمبی لمبی تفسیریں کلامِ الٰہی کا اصل مدعا نظروں سے اوجھل کردیتی ہیں۔ چاہیے یہ کہ سامع کو کلامِ الٰہی کے الفاظ سے قریب تر رکھا جائے۔

☆ قرآن مجید کا معجزہ اس کی فنی تراکیب، فصاحت

وبلاغت وغیرہ بھی ہیں۔لیکن اس کا اصل معجزہ اس کی تعلیم ہے۔ انسانی نفس اور معاشروں کی اصلاح کچھیا جو تعلیم قرآن مجید میں عطا کی گئی،اس پر اضافہ محال ہے۔

☆ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ اس کا خطاب ایک خاص قوم(مثلاً یہود، عیسائی،منافقین وغیرہ) سے ہے۔ بلکہ حدیث نبویؐ کے مطابق کہ ''تم بھی پچھلی قوموں کے طریقوں کی پیروی کرنے لگو گے'' کوئی بلا اور مصیبت ایسی نہیں کہ اس کا نمونہ آج موجود نہ ہو۔

☆.....☆.....☆

بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے (متفق علیہ) اور یہ بھی فرمایا ہے۔ **اھل القرآن ھم اھل اللہ وخاصتہ** (نسائی) (اہل قرآن ہی اللہ والے اور اس کے خاص بندے ہیں) اسی طرح دیگر بہت سی احادیث مبارکہ قرآن مجید سیکھنے کے ساتھ سکھانے کی فضیلت پر مشتمل ہیں۔ لیکن لازم ہے کہ احتیاطیں بھی ملحوظ رہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نبیؐ کے اولین دور کے ساتھی تھے۔فرمایا کرتے تھے ''کون سی زمین مجھے پناہ دے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اگر میں قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہوں، یا وہ کہوں جو مجھے معلوم نہیں۔(طبری)

سعید بن مسیّبؒ مشہور تابعی تھے۔ان کے بارے میں ان کے ہم عصروں نے گواہی دی کہ قرآن کے بارے میں ''معلوم'' کے سوا کچھ نہ کہتے تھے۔ بسا اوقات یوں ہوجاتے گویا سنا ہی نہیں۔

ابن سیرینؒ نے عبیدہ سلیمانیؒ سے قرآن مجید کے بارے میں کچھ پوچھا تو وہ بولے۔تم بس سیدھے راستے پر چلو۔ وہ لوگ رخصت ہوئے جو جانتے تھے کہ قرآن کس بارے میں نازل ہوا۔

مشہور مفسر قرآن ''حبر الامۃ'' حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے بارے میں ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں۔کبھی ابن عباسؓ سے قرآن کے بارے میں وہ چیز پوچھی جاتی جو تم سے بھی پوچھی جائے تو کچھ نہ کچھ کہہ دو۔لیکن وہ کچھ کہنے سے انکار کردیتے (طبری)

☆.....☆.....☆

مجالس درسِ قرآن اور حلقہ ہائے قرآنی میں استاذ اور مدرس کی حیثیت سے بیٹھنے والی خاتون کچھیا صحابہؓ وتابعینؒ کے اسوہ میں بہت سے سبق ہیں۔ چاہیے یہ کہ وہ ''سادہ'' مطالعہ کے ساتھ، آیاتِ قرآنی میں غوروفکر کی عادت بھی ڈالیں۔ دن اور رات کے فرصت کے اوقات میں اپنے روزانہ کے مطالعہ میں آنے والے اہم نکات پر گہرا غوروفکر اور تدبر کریں۔نتائجِ فکر کو قابل اعتماد مفسرین کی آرا کی روشنی میں پرکھیں اور عام مسلم خواتین کی رہنمائی کرکے قرآن پڑھانے والوں کے لئے جو بشارتیں ہیں ان کا مستحق بننے کی کوشش کریں۔**وباللہ التوفیق**۔

☆☆☆

نعت

مری ہر سانس میں نکہت ہے انؐ کی
رگِ جاں میں بھری چاہت ہے انؐ کی

انہیؐ کا نغمہ ہر دھڑکن ہے میری
مرے ہر شعر میں الفت ہے انؐ کی

میں اک ذرہ ہوں انؐ کی رہ گزر کا
شعاعِ مہر ہر نسبت ہے انؐ کی

ہے انؐ کی یاد خوشبو یاسمن کی
رہینِ شعلگی فرقت ہے انؐ کی

محبت انؐ کی فطرت کا ہے جوہر
وفائے عاشقاں عادت ہے انؐ کی

حصولِ جاہ و منصب سے گریزاں
متاعِ فقر ہی دولت ہے انؐ کی

جھکائے سرکھڑی ہے کج کلاہی
عجوبہ وقت کا شوکت ہے انؐ کی

یگانہ ہے تکلم کا ہر انداز
عیاں افکار میں ندرت ہے انؐ کی

انہی سے واسطہ اسرارؔ کرلو
رہینِ خستگاں رحمت ہے انؐ کی

پروفیسر اسرار احمد سہاروی

''ذوقِ عرفان'' سے انتخاب: محمودہ شروانی

غزل

ظلم کرتے ہیں تو اچھّا، کیجیے
لیکن انجام بھی سوچا کیجیے

روکیے آنسوؤں کو پلکوں پر
دردِدل اپنا چھپایا کیجیے

چاند سے رکھیے تعلق اپنا
تیرگی کو نہ بلایا کیجیے

ان کے جلووں سے منور ہے جہاں
ان کے جلووں میں نہایا کیجیے

ہر طرف آپ کی ہے آمَد ورَفت
اس طرف بھی کبھی آیا کیجیے

بھیڑ رہتی ہے تمناؤں کی
بے دھڑک دل میں نہ آیا کیجیے

خوں بہانا ہی اگر ہے مقصود
اپنا دامن تو بچایا کیجیے

غم کے آنسو نہیں موتی ہیں شہؔود
اپنی پلکوں پہ سجایا کیجیے

شہود ہاشمی۔ریاض

غزل

میری زلفوں میں محبت سے وہ تارے ٹانکے
روتی آنکھوں کو وہ خوابوں کی ردا سے ڈھانکے
جان پایا نہ شبِ ہجر کا افسوں کوئی
رات بھر دور فلک پر کوئی تارا جھانکے
مسکراہٹ کی وہ کلیاں دل وجاں میں مہکیں
دکھ کے لشکر کوئی چابک سے وفا کے ہانکے
اس قدر ٹوٹ کے چاہے مجھے ہر دم ساجن
زہرِ دنیا بھی مرے پیار کی خاطر پھانکے

غزل

وقت کی سکندر ہوں
پھر بھی تم سے کمتر ہوں
مجھ کو دیکھتے کیا ہو
آئینے سے سندر ہوں
تم خوشی کے ساحل ہو
غم کا میں سمندر ہوں
ناز خود پہ کرتا رہ
تیرا میں مقدر ہوں
کہتی ہے نظر تیری
خوش نماسا منظر ہوں
عرش پر چمکتی ہوں
چاند کے برابر ہوں
تو اگرچہ ہے پارَس
میں بھی ایک جوہر ہوں
عکس ہے ترا مجھ پر

فریدہ خانم

عید

یا خدا! اب کے میری دنیا میں
عید سچ مچ میں عید ہو جائے
سچی خوشیوں کی دید ہو جائے
لمحہ لمحہ سعید ہو جائے
راحتوں کی نوید ہو جائے
امن کے ہوں پیامبر ریلے
چاہتوں کے ہوں ہم سفر میلے
نفرتوں کے مہیب سناٹے
میری دھرتی سے دور سب کردے
ربط ایسا ہو درمیاں سب کے
آہ پہ اک کی دوسرا تڑپے
بے سکونی کی زرد شاموں میں
غم سے لبریز تلخ راتوں میں
زندگی پُربہار ہو جائے
ہر سُو بارُود یاں برستا ہے
امن کو آدمی ترستا ہے
دھرتی جنت نشان ہو جائے
لمحہ لمحہ سعید ہو جائے
کاش یہ عید ، عید ہو جائے

طاہرہ فرحت

نصرت یوسف

پانیوں پر قدم

کچھ لوگ فراخی کے باوجود دامن سوکھا رکھتے ہیں ایسے جیسے سطحِ آب پر تیرتا ہوا پتہ.....حقیقی زندگی کے ایک کردار کی عکس گری

انسان جب زندہ ہوتا ہے تو اسے اپنے آپ کو یقین دلانا پڑتا ہے کہ ایک دن اسکی اپنی ہی لائف بیٹری اسی طرح ختم ہوجائے گی جیسے آئے دن اسکے سیل فون کی ختم ہوجاتی ہے اور پھر سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ بے حس ہوجاتا ہے۔ نہ مدھر موسیقی بکھیرتا ہے اور نہ روشنی کی کوئی رمق اس میں موجود ہوتی ہے۔ چاہے فون کتنا بھی گراں ترین ہو۔ دنیا کی بہترین ٹیکنالوجی سے آراستہ۔ لیکن چار جنگ ختم ہوتے ہی دھات اور پلاسٹک کی ترتیب وار سیٹنگ کے علاوہ وہ کچھ نہیں ہوتا۔ انسان بھی روح نکلتے ہی مٹی کے اجزا کے سوا کچھ نہیں رہتا جسے بالآخر مٹی ہی میں دفنا دیا جاتا ہے۔ جو نہیں دفناتے وہ بھی دوسرے طریقوں سے مردہ انسان کو زندہ دنیا سے دور کردیتے ہیں کہ اب انکا زندگی سے رابطہ ٹوٹ چکا ہے سو متحرک دنیا میں بھی انکو نہیں رکھا جاسکتا۔

ہر زندہ انسان ہر لمحے دنیا پر اپنے نقش ثبت کرتا جاتا ہے۔ اسکے فنگر پرنٹس سے لے کر اسکی سانسوں کی بھاپ، اسکے قدموں کی چاپ، اس کے افکار کے دائرے، اسکے احکام کے اثرات اور نہ جانے کیا کیا، کہاں کہاں وہ اپنی زندگی کا ثبوت دیتا چلا جارہا ہے۔ کچھ انسان اس ثبوت کو اپنے حق میں کرنے کی لگن میں ہر دم اپنی توانائیاں خرچ کرتے ہیں۔ اس دن کے لئے جب یہ سوال ہوگا کہ ''زندگی کیسے گزاری؟''

میں نے اسی دھن میں سرگرداں اس کو دیکھا ہے!

اصل نام حذف کرکے میں اسے سلامہ کہوں گی۔ کافی سادہ سا وہ وجود جسے دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ تین عدد چلبلے بچوں کی ماما جان ہوگی۔ یونیورسٹی سے کامرس کی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ چہرے پر بات کرتے ہوئے دھیمی سی مسکراہٹ اور پوری طرح متوجہ نگاہیں سلامہ کی خصوصیت ہے۔ غضب کا حافظہ اللہ نے اس کو دیا ہے جس کی بنیاد پر کوئی بھی امتحان ہو، شاندار نتیجہ اسکے ساتھ رہتا ہے۔ متمول خاندان ہی کی بیٹی اور بہو ہے سو زندگی کی وہ سختیاں جو مجموعی انسان دیکھتے ہیں اس نے کبھی نہیں دیکھیں۔ لیکن آسانیوں اور سہولیات بھری زندگی کے باوجود اس میں شائستگی، نرمی اور اعتدال ہے۔ عمدہ انداز زندگی ہے لیکن اس سے بات کرتے ہوئے کبھی اس میں نعمتوں پر اتراہٹ کے سائے منڈلاتے نظر نہیں آتے۔ نعمتیں ہیں صرف برتنے کے لئے دوسرے انسانوں کو فیض پہنچانے کچھیا اپنے لئے توشۂ آخرت جمع کرنے کے لئے یہ تاثر اسکی سرگرمیوں میں ابھرا نظر آتا ہے۔

بچوں کے ساتھ بھی خوب جان ماری کرتی ہے۔ کیا انوکھا ہے؟ ہر ماں کرتی ہے۔ ہر باپ کرتا ہے۔ سلامہ نے کو نسا کمال کیا؟

بے شک ہر ماں اپنی جان سے بڑھ کر اپنی اولاد کے لئے مشقت اٹھاتی ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ وہ کس نعمت کو مہیا کرنے میں اپنی جان گھلاتی ہے۔عمومی طور پر مٹی سے بنے جسم کے لیے، مٹی سے بنی اشیاء کی فراہمی کے لیے ماں اور باپ دونوں کھپے جاتے ہیں ، قطرہ قطرہ توانائی خرچ کرنے کا اولین مقصد بچوں کو اپنی بساط سے بڑھ کر سہولیات مہیا کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ یہ کوئی غلط بات نہیں اور نہ ہی عجیب، محبت سے لبریز ماں باپ کے دل اپنی اولاد کو خوشی اور راحت دینا چاہتے ہیں۔لیکن انسان محض مٹی سے تو نہیں بنا اس میں بیٹری کی طرح چارجنگ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کی بیٹری اس کی روح ہے۔اور اس کی چارجنگ کے لیے اسے الہامی ہدایت پر سرِتسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔روح بھی آسمانی اور الہامی ہدایات بھی آسمانی۔

سلامہ نے اپنی زندگی کے شب وروز میں بچوں کی روحانی بیٹری کو خوب ترجیح دی ہے۔''میرے بچوں کو برگر کھانے کو نہیں ملے گا تو ان کی زندگی پر اثر نہیں پڑے گا لیکن وقت پر میں ان کو صحیح بات نہ سکھا سکی تو اس کا اثر ان پر ہمیشہ گچھیا پڑے گا۔''

نہ جانے کس بات پر وہ سنجیدہ انداز میں کسی سے یہ کہہ رہی تھی تو پاس سے گزرتے ہوئے میں وہی ٹھٹک گئی تھی۔

''اچھا تو پھر تم پکنک پر نہیں چل رہیں؟''اسکی دوست نے مایوسی سے پوچھا۔

''یار میرا بہت دل ہے پکنک پر جانے گچھیا، بچوں کو بھی ساتھ لے جاؤں لیکن میری ساس گھر میں بالکل اکیلی ہیں۔آج کل میری نند بھی شہر سے باہر ہے ورنہ وہ بہت تعاون کر دیتی ہے۔کوئی کچھ نہ کہے گا میری ساس بھی کہہ رہی ہیں چلی جاؤ۔لیکن ٹانگ میں پلاسٹر ہے ان کے۔ایسے کیسے ان کو چھوڑ کو جایا جا سکتا ہے۔'' آواز میں ہمدردی لئے وہ نہ جانے پر معذرت کر رہی تھی۔''تمہارے بچے بنے بنائے پروگرام میں تبدیلی کی وجہ سے ناراض تو ہیں ہوں گے؟''میں نے تجسس بھرا سوال کیا تو اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔وہ میری عربی زبان کی کلاس کی ساتھی تھی۔ چونکہ یہ کورس میں نے دیر سے جوائن کیا تھا تو فی الحال آشنائی دوستی میں نہ بدلی تھی۔لیکن بہر حال آشنائی خاصی تھی جس کی بنیا پر سوال کر لیا گیا۔

''بچے خاصا احتجاج کریں گے کہ ان کو اس پکنک پر جانے کا کب سے شوق ہو رہا ہے۔لیکن میں نے فیصلہ کیا ہے کہ گھر پر ہی انکے دوستوں کو بلالوں تا کہ انکو بھی گلہ نہ رہے۔''

''ہاں جی یہ تو بس ہر وقت بچوں کے حساب سے چلتی ہیں۔''اسکی دوست نے تنک کر کہا تو وہ مسکرانے لگی۔

''ہر ماں چلتی ہے۔تم نہیں اپنے بچوں کے حساب سے چلتیں کہ اب انکے اسکول سے واپسی کا ٹائم ہے میں نہیں آرہی۔ اب انکو تیراکی کی کلاس گچھیا چھوڑنے جانا ہے۔''اس نے شوخی بھری آنکھوں سے جواب دیا تو دوست ہنس پڑی۔

''ہاں لیکن تمہارے ایکسکیوزز بہت علیحدہ ہوتے ہیں۔شاپنگ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر کرتی ہو کہ بچے

تیرا کی کی کلاس سے واپس آ کر ٹی وی کے آگے نہ بیٹھ جائیں۔ لہٰذا میں گھر پہنچوں۔ پارٹی میں بھی بچوں کو ساتھ رکھتی ہو اور تمہیں بچے کس قدر ہلا کر رکھتے ہیں لیکن گھر پر تمہارے بغیر وہ نہ رہیں۔ ہر وقت یہ ہی بے کار خوف کہ میڈیا کے اثرات ان تک نہ پہنچ جائیں۔''

سلامہ کی دوست نے اسکو آڑے ہاتھوں لے لیا تو وہ خاموش رہی۔اس نے کوئی جواب دیئے بنا بس ایک ناراضگی بھری نگاہ سے اسے دیکھا۔

''اصل میں یہ مجھ سے ناراض ہے، چلو اٹھو کلاس شروع ہونے والی ہے بہت بحث کر لی ہم نے'' اس نے میری جانب دیکھ کر اپنا دفاع کیا۔

کچھ ہی عرصہ میں میری آشنائی بھی قربت اور تعلق میں بدل گئی۔ میں نے جانا وہ ایک ایسا انسان ہے جو اس گروہ سے تعلق رکھتا ہے جسے حضرت عیسیٰؑ نے بھلائی کی بنا پر زمین کا نمک کہا تھا وہ فرشتہ نہیں لیکن اچھا انسان بننے کچھیا اپنے آپ پر اپنے بچوں اور گھر والوں پر خوب توجہ دیتی ہے۔کلاس میں ایک آدھ مرتبہ وہ براؤ نیز بنا کر لائی کہ بچوں کے ساتھ ملکر بیک کی تھیں۔

''اف بچوں کے ساتھ'' کوئی چیخا تو وہ ہنس پڑی۔

''سمجھ لو میں نے عبادت کی! انکی پسند کا کارٹون جس وقت آتا ہے میں اکثر ہی اسی وقت انکو کسی دلچسپی میں مصروف کرتی ہوں۔ ہندی ورژن ہے، انکے عقائد کا خوب پرچار ہے اس میں..... وحشت ہوتی ہے مجھے جب میرے بچے وہ دیکھتے ہیں۔ ہفتہ میں صرف چھ شمیمہ انکو ٹی وی دیکھنے کی اجازت ہے۔ خود میں بھی کوئی پروگرام اس لئے نہیں دیکھتی کہ انکے لئے چھ شمیمہ ہیں تو میرے لئے بھی چھ شمیمہ۔''

براؤنی کا ڈبہ ہر طرف گھوم رہا تھا۔ سب ہی اسکے ذائقہ سے محظوظ ہو رہے تھے۔ پرفیکٹ نہ بنی تھی لیکن بہر حال انسانوں کی تیاری کا جو کام وہ کر رہی تھی وہ زیادہ اہم تھا اور اس میں وہ خوب پرفیکشن دکھا رہی تھی۔ اسکا تفصیلی جواب کئی کے لئے ہمت افزا تھا تو کئی نے سرسری انداز میں لیتے ہوئے آپس میں تبصرہ کیا۔

''بھئی یہ ہی کر سکتی ہے اتنا، نوکر چاکر انکے پاس، پھیلا کر نکل آئیگی، پیچھے خادمہ آئے گی، بیگم صاحبہ اور بچوں کا پھیلایا سمیٹ جائیگی۔ ہم انکی طرح کریں گے تو ہمارا بجٹ بھی آؤٹ اور کمر بھی ٹوٹ جائے گی صفائی کر کے.....'' کچھ انسان اپنے وسائل کے بل بوتے پر ہی کرتا ہے۔لیکن یہ ہی وسائل دنیا کی طرف بھی اسکو مقناطیس کی طرح کھینچ لیتے ہیں۔ فراخ وسائل وہ exposure بھی دیتے ہیں جو محدود وسائل نے جانا بھی نہیں ہوتا۔ سو جو سلامہ کرتی ہے وہ ہر ایک نہیں کر سکتا لیکن وہ بچوں کو کسی پابندی کا پابند تو کر سکتے ہیں۔ اسکے لئے انکو خود بھی کچھ کشٹ کرنا ہوگا۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ہم دس اخلاقی باتیں اپنے اوپر نافذ کر چکے ہوں اور ہمارے بچے اس کا کوئی بھی اثر نہ قبول کیے ہوں (اللہ محرومی کی اس کیفیت سے ہر مومن کو محفوظ رکھے۔آمین)

سلامہ کے پاس پیسہ اور آگاہی دونوں ہیں، لیکن پھر بھی اس نے پابندیاں اپنے اوپر نافذ کر رکھی ہیں، میں نے اسکے بچوں کو نوکروں پر انحصار کرتے نہیں دیکھا ہے۔ گیارہ

برس کی بیٹی چائے بنا کر اسی طرح پیش کرتی ہے جیسے عمومی گھرانوں میں لڑکیاں کرتی ہیں۔

''اگر میں انکو اصل زندگی کی باتیں سکھانے کے بجائے محض گھر سے باہر کی دنیا کی حساب سے پالوں تو انکو کبھی انسانوں کے ساتھ ایڈجسٹ ہونا نہیں آئے گا۔''

اس نے میرے کان میں سرگوشی کی اور بیٹی کو دیکھا جو ہمیں چائے سرو کرنے کے بعد سامنے کچھ فاصلے پر بیٹھی لیپ ٹاپ استعمال کر رہی تھی۔ ماں گاہے گاہے بغور اسکرین دیکھتی۔

''اسکول اسائنمنٹ ملا ہے ٹائپ کر کے جمع کرانا ہے۔''اس نے چائے کا مگ تھماتے ہوئے مجھے اطلاع دی۔تو میں نے سر ہلا دیا۔

''کر لے گی،تم اتنی الرٹ کیوں بیٹھی ہو۔''

''الرٹ بیٹھنا پڑتا ہے بھئی گھر میں وائی فائی ہر وقت on رہتا ہے۔میرے میاں کا کچھ نہ کچھ ہر وقت ہی ڈاؤن لوڈ ہوتا ہے ان کا کام اس وقت بھی ہو رہا ہوگا،اور اب یہ بھی لیپ ٹاپ استعمال کر رہی ہے، بچے ہیں ادھر ادھر کوئی مہلک سائٹ پر چلے گئے تو کس قدر خطرے میں گھر جا مجسٹی۔ان کی باشعور عمر تک تو ان کا اسی طرح دھیان رکھنا پڑے گا۔پھر اللہ مالک ہے وہی اصل حفاظت کرنے والا ہے۔''

اتنی دیر میں اسکے دونوں بیٹے تیزی سے آگے پیچھے دوڑتے ہوئے آئے۔نو دس برس کے بچوں کے ہاتھ clay میں لتھڑے ہوئے تھے۔وہ تیزی سے بنا آواز نکالے اٹھی ، دونوں کو بازو سے پکڑ کر باہر لے گئی مگر انکے ہاتھ سے گرنے والا کلے اسکے کمرے میں بچھے قیمتی سینٹر پیس پر جا کر چپک گیا تھا۔ میں نے جھک کر اس کو اٹھانا چاہا تو وہ دبیز روئیں میں مزید دھنس گیا۔مجھے اپنے بے وقت آنے پر شرمندگی ہونے لگی۔آدھے شمیمہ پہلے میں اس کے گھر بنا کسی پروگرام کے آئی تھی۔ یہاں قریب میں کسی کی عیادت کرنے آنا تھا تو سوچا سلامہ کی گھر داری بھی دیکھ لی جائے۔ یہ ہی شوق لایا تھا، وہ اس وقت لان کے ایک گوشے میں بچوں کے ساتھ کلے نکال رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے بچوں کو خوب ہدایتیں دیں اور پرجوش خیر مقدم کرتے ہوئے مجھے اپنے لاؤنج میں لے آئی۔لاؤنج میں بنی خوبصورت لمبی لمبی کھڑکیوں سے نظر آتا لان کا منظر واقعی بہت فرحت انگیز تھا۔ اس کے گھر میں بھی ایسی ہی سکنیت تھی جیسی اسکی شخصیت میں لگتی تھی۔ رہنے والوں کے اثرات جگہیں بھی قبول کرتی ہیں، میں نے فوراً ہی سوچا تھا، کچھ دیر بچوں کو کھیل میں مگن دیکھ کر وہ بیٹی کے کمرے میں آ گئی تھی جو کچھ دیر قبل ماں سے اس کا لیپ ٹاپ مانگنے آئی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ ضرورت کی تمام چیزوں میں ٹیکنالوجی کا خوب استعمال سلامہ کے ہاں تھا۔لیکن دیوار گیر ٹی وی اسکرین کے بجائے اوسط سائز کا ٹی وی تھا جو لاؤنج ہی میں رکھا تھا۔

سلامہ کے استعمال کا موبائل کم از کم سلامہ کے معیار زندگی کے حساب سے نہیں تھا۔ اسکے ملبوسات میں نفاست ضرور ہوتی ہے۔لیکن وقت اور پیسے کا لاحاصل استعمال نظر نہیں آتا ہے۔مہینے میں محض ایک مرتبہ وہ بچوں کو انکی پسند کی جگہ پر باہر کھانا کھلاتی ہے،کمال یہ ہے کہ اس نے

بچوں کے ساتھ تعلق کو اتنا خوشگوار رکھا ہے کہ ان کو یہ پابندیاں جبر نہیں لگتیں، جیسے انکی ایسی فرمائش پر جو وہ پیسے کا ضیاع سمجھتی ہے ان سے ہی پوچھتی ہے کہ وہ اپنی فرمائش پوری کرنا چاہتے ہیں یا کسی بیمار کو دوائی کے پیسے دینا چاہتے ہیں۔ بچوں سے فیصلہ کراتی ہے۔کبھی بچے فرمائش پر ہی اصرار کرتے ہیں تو وہ فرمائش بھی پوری کردی جاتی ہے لیکن انکے ذہن میں سوال بہرحال بیٹھ جاتا ہے کہ شاید انہوں نے فائدے کے لحاظ سے بہترین چناؤ نہیں کیا۔

مجھے سلامہ کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے یہ زندگی میں اپنا نقش اتنا مثبت رکھنا چاہتی ہے کہ اب اس میں شر سے زیادہ خیر آچکی ہے۔

جاگنگ پابندی سے کرنا اور بچوں کو بھی اس طرف راغب کرنا اسکی زندگی میں شامل ہے۔اللہ کو صحتمند مومن پسند ہے۔''اپنے حسن و جمال کی نگہداشت بھی ثواب ہے۔'' کسی کو کھانستا دیکھ کر اس کے قول نے مجھے خوب ہی ہنسایا تو اس نے مجھے ابرو اچکا کر دیکھا۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنی ظاہری ہیئت سے غافل نہیں رہتی ہے۔ مجھے اس سے ہاتھ ملا کر حیرت ہوتی ہے کہ اتنے استخوانی سے نظر آتے ہاتھوں میں اتنی نرمی کیسے ہے۔وہ اکثر میرا ہاتھ دبا کر کہتی ہے''تمہارے ہاتھ بڑے نرم ہیں،لگتا ہے کچھ کام وام نہیں کرتیں۔''

''ہاں تمہارے جیسے نہیں کرتی۔'' میرا معنی خیز انداز میں دیا گیا جواب اس کو ہنسا دیتا ہے اور میرے اردگرد جیسے اس کے پرخیز وجود سے نکلنے والی لہر میں پھیلنے لگتی ہیں۔ میں اس سے محبت بھی کرتی ہوں اور اس پر رشک بھی، کہ کیسے کچھ لوگ فراخی کے باوجود دامن سوکھا رکھتے ہیں ایسے جیسے سطح آب پر تیرتا ہوا پتہ جو ایک طرف تیرنے کی بنا پر گیلا لیکن اس کا دوسرا رخ بالکل خشک، ایسے جیسے پانی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اسی تعلق اور بے تعلقی کی مثال کو سلامہ نے اپنی زندگی میں بہت عمدگی سے شامل رکھا ہے۔ اپنے آپ کو، اپنی نسل کو محض رب کا بندہ بنانے کی تڑپ نے اس کی تمام تر ترجیحات کا رخ متعین کر دیا ہے!!

☆☆☆

راشدہ سعید

خالی دامن

''کوئی میرا محل اور میرا خزانہ لے لو اور مجھے سکون دل دے دو۔'' بھرائی ہوئی آواز میں سارا غم دل میں اتر گیا۔ مایوسی ،نا امیدی اور حسرتوں بھری بوڑھی، زندہ جامد، ایک بہت ہی مالدار 68 سالہ خاتون جس نے ''لوزیانہ'' کے حسین ترین ساحلی کنارے سے جڑی ایک سرسبز وادی میں اپنی تمام عمر اپنی مرضی کے مطابق آزادانہ گزاری۔ قدرت نے بھی اسے ہر چیز عطا کی تھی۔ آج وہ کہہ رہی ہے کہ ''اس شاہی زندگی میں اسے کبھی بھی سچی خوشی اور سکون دل نہیں ملا۔''

اس کی آہ وزاری کہ کوئی میرا سب کچھ لیکر مجھے سکون دل دے دو، ہمیں چونکا دینے کے لئے کافی ہے۔

اس خاتون کا نام ریحانہ جبیں ہے!

جب میرے ساتھ میرا بچپن تھا، میں ایک ننھی سی گڑیا، ریحانہ جبیں کی ہم عمر تھی۔ گرومندر اور سولجر بازار کے شوروغل والے علاقے میں ایک 600 گز کے بنگلے میں ہم بہت سارے خاندان آباد تھے۔ اس حویلی نما بنگلے کے دائیں حصے میں دادا جان مصباح الدین کے بھائی عمادالدین اپنی آل اولاد سمیت آباد تھے اور بائیں جانب والے حصے میں ہمارے دادا جان مصباح الدین کی کثیر آل اولادیں بس رہی تھیں۔ جب ہمارے چھوٹے چاچو صرف 2 ماہ کے تھے تب مصباح الدین کا انتقال ہوگیا تھا۔ ہمارے 2 تایا اور چار عدد چچا تھے جو دو، دو کمروں پر مشتمل اپنے اپنے حصوں میں خوش وخرم تھے۔ دادا عمادالدین کی چار بیٹیاں شادی شدہ اولادوں والی تھیں اور دو بیٹے اپنے اپنے کنبوں کے ساتھ ہماری ہی حویلی میں دادا عمادالدین کے حصے میں آباد تھے۔ دادا عمادالدین کا خاندان ہمارے دادا مصباح الدین کے خاندان کے مقابلے میں زیادہ مالدار اور خوشحال تھا۔

اتنا بڑا کھلا ڈبل اسٹوری مکان اور اس میں رہنے والے سارے لوگ مل جل کر رہتے تھے۔ بچوں کا شوروغل رہتا تھا۔ چھوٹے بچوں کی ٹولیاں بھی تھیں اور بڑے بچوں کی بھی۔ مل جل کر کھیلتے تھے، مل جل کر کھاتے تھے اور مل جل کر صبح مدرسہ تو دوپہر کو اسکول جاتے تھے۔ مل جل کر ہوم ورک کرتے تھے۔ ایک فوج تھی۔ مدرسہ اور اسکول کا کوئی بچہ اس فوج کے کسی واحد پر ہاتھ اٹھانے سے قاصر تھا۔ بڑے بچوں نے چھوٹوں کو سنبھال لیا تھا۔ ہر وقت ان کے مددگار تھے۔ کبھی کبھی لڑائیاں بھی ہوتی تھیں۔ کئی لڑاکا ٹولیاں بن جاتیں مگر ہمارے بڑے درمیان میں داخل ہوکر سب کو سمجھا بجھا کر، کبھی ڈانٹ ڈپٹ کر کے جھگڑوں کو ختم کردیتے تھے۔

ہمارے دادا جان تو تھے نہیں۔ اب اتنے ڈھیر سارے دو دادا ؤں کے بال بچوں کے دادا جان صرف عمادالدین ہی تھے جو سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتے تھے۔ عدل وانصاف

میں، تحفے تحائف میں، پیار ومحبت میں تھوڑا سا بھی فرق نہیں کرتے تھے۔ انکی شریک حیات کلثوم بی بی، ہماری دادی جان رقیہ بی بی کی سگی بہن تھیں۔ دونوں دادیاں سب بچوں کی دادیاں تھیں۔ ڈھیر سارے ہمارے تائے چاچے اور دوعدد اس فیملی کے چاچے سب کے چاچے مامے تھے۔ سب مل جل کر بڑے پیمانے پر بزنس کرتے تھے۔ مسلسل محنت اور ایمانداریوں نے ترقیوں کے دروازے کھول دیئے تھے۔ زندگی سادہ اور عام سی تھی۔ دکھاوا نام کو نہیں تھا۔ شام کو رقیہ دادی کے گھر بڑے سے دالان میں سب بڑے بیٹھتے تھے۔ ہنستے بولتے کھاتے پیتے اور ساتھ ہی ساتھ آپس کے معاملات اور مسائل کو حل کرتے تھے۔ سکون ہی سکون اور خوشی ہی خوشی تھی۔

لمبی سی گلی میں سڑک کے دونوں کنارے بڑے بڑے حویلی نما مکانات تھے۔ ہمارے مکان سے جڑی ایک درمیانی مگر خوبصورت سی مسجد تھی۔ اس محلے کو بوڑھے جوان پانچ وقت اسی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ ان پانچ وقتی ملاقاتوں نے تمام نمازیوں کو آپس جوڑ رکھا تھا۔ سب ایک دوسرے کے حالات سے باخبر تھے۔ ایک دوسرے کی پہچان تھے اور ایک دوسرے کے مددگار۔ محلے کی ایک کمیٹی تھی۔ تمام مسائل اس کمیٹی کے ذریعہ مسجد ہی میں حل کیے جاتے تھے۔ تمام محلے کے بچوں کا ہر بڑا مرد انکل یا چاچا تھا اور ہر بڑا بوڑھا دادا جان، محبتوں کی پھوار تھی۔ سکون کا دور تھا۔ نیکیوں کا راج تھا اور بدی پر پھٹکار تھی۔ ہر بڑا چھوٹے کو سدھارنے کا ذمہ دار۔

مجھے یاد ہے ایک مرتبہ ہمارے والد صاحب نے سولہ سالہ عبدل کی اچھی خاصی پٹائی کردی۔ ''اپنے باپ سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو۔ ماں پر چیختے ہو۔ محلے کا دادا بنے پھرتے ہو۔ ٹھیک کردوں گا میں تجھے۔''

پھر شام کو عبدل کے والد داؤد صاحب ہمارے والد کا شکریہ ادا کرنے ہمارے گھر تشریف لائے ''سراج الدین صاحب! بڑی مہربانی ہے آپکی کہ آپ نے میرے بیٹے کو اپنا سمجھا اور نظر کرم کی۔ بھئی بہت بہت شکریہ۔''

عید بقرعید، شادی بیاہ کے دن ہوں کسی کی فوتگی ہو، سارا محلّہ ایک جتھا بن جاتا اور خوشی غمی میں ہر قسم کی مدد مل جاتی تھی۔ گویا ایک دوسرے کے ہاتھ تھے، بازو تھے، محبتوں کی ڈور سے بندھے ہوئے تھے۔ بھائی بھائی تھے۔

وقت گزرتا گیا۔ موسم بدلتے رہے۔ عمر گھٹتی گئی۔ آج میرا بچپن بیت گیا۔ جوانی دھوکا دے گئی تو بڑھاپے نے صدا لگائی۔ ایک طویل عرصہ بعد مغربی دنیا میں شوق جنون لئے بسنے والی ریحانہ جبیں کی فقیرانہ آواز مشرقی دنیا میں ہم تک پہنچی۔ حالانکہ آج سائنس نے خوب ترقیاں کر لی ہیں۔ خوب ایجادیں ہوئیں، جادو بھری دنیا سج گئی۔ خوب سہولتیں ملیں۔ مشرق مغرب گلے لگے۔ دنیا گاؤں کہلائی، تہذیبوں کی تقسیم ہوئی۔ کچھ ہمارا کچھ تمہارا۔ آدھا تیتر آدھا بٹیر اور اس مارا ماری میں ہماری تہذیب گڈمڈ ہوگئی۔

قناعت ہوس میں بدل گئی تو صبر نے بے صبری کا لبادہ اوڑھ لیا۔ نرمی چلی گئی تو سختی نے پیر جمائے۔ وقار اور سنجیدگی روٹھ گئی تو مسخرہ پن سر چڑھا۔ یوں میں سوچ رہی ہوں اتنی آسانیوں اور تعیّشات کے باجود آج کا انسان کیوں بلبلاتا ہے

کہ ''مجھے سکون کی خیرات دے دو!''

اب میرا بڑھاپا ہے۔ تجربہ کار زندگی ہے۔ سایہ دار رخت ہوں اس افراتفری میں کوئی ہے جو مجھ سے مشورہ مانگے!

چلمن اٹھالو، ماضی کی شاہ راہوں پر یادوں کی کہکشاں سے جھلمل کرتے ستارے میری آنکھوں کی منڈیر سے ٹپک رہے ہیں۔ خیالات کے ہجوم میں ڈھیروں شناسا چہرے ہیں۔ ان میں ریحانہ جبیں! تم کہاں ہو؟ میری تایا زاد.....''لوزیانہ'' کی جنت ارضی میں اپنے خوبصورت محل میں بوڑھے شوہر کے ساتھ..... جو خود تجربہ کار ماہر ڈاکٹر ہیں.....تنہائی اور بیماری کے عذاب میں مبتلا ہے۔ اپنے وقت کی شاہزادی جس کے پاؤں میں کبھی کانٹا بھی نہیں چبھا آج ہم سے کچھ مانگ رہی ہے کہ مجھے سکون دل دے دو او رمجھ سے میرا سب کچھ لے لو.....

1960ء میں ایک خوشخبری سنائی دی کہ تایا زاد ریحانہ جبیں کا رشتہ چھوٹی چاچی فرخندہ کے بڑے بھائی ڈاکٹر صفدر سے جوڑ دیا گیا ہے۔ ہنسی خوشی کے دن تھے۔ خبر ہی نہیں تھی کہ غم وفکر کیا ہوتا ہے اور سر کا درد کیسے ہوتا ہے۔ خوشخبری بہار بن کر آئی اور پوری حویلی نما بلڈنگ کے سارے چھوٹے بڑے مکینوں کے دلوں پر چھا گئی۔ سولہ سالہ جھینپی جھینپی صندلی ریحانہ.....شرمائی شرمائی گلابی کامنی ریحانہ کونوں کھدروں میں چھپی چھپی سی لمبے قد، لچکدار کمر یا والی ریحانہ خوش قسمت کہلائی۔

ابھی ہم اپنی انگلیوں پر دنوں اور مہینوں کی گنتی گن رہے تھے کہ نیا سال نیا چاند آ گیا۔ بڑی دھوم سے شادی کا موسم آ گیا۔ عمادالدین کی اکلوتی پوتی تھی، خوب لاڈلی..... بچپن ہی سے اسکی قسمت پر رشک آتا تھا۔ جہیز ایسا شاندار بنایا کہ ایک خلقت دیکھنے کچھیا جمع ہوگئی۔ مایوں کی رسم ہوئی۔ دلہنیا کے گورے گورے ہاتھوں میں مہندی سجائی گئی۔ ڈھولک کی تھاپ پر بیاہ کے گیت گائے گئے۔ قوالیاں بھی ہوئیں۔ ہفتوں تک دیگیں پکیں۔ پھول نچھاور ہوئے۔ مٹھائیاں بٹیں، شامیانے لگے، اسٹیج سج گیا اور سجی سجائی دلہنیا بابل کے گھر سے رخصت ہوکر پیا کے گھر چلی گئی۔

سسرال ایسا ملا کہ ریحانہ کا دیوانہ..... پھر چاہنے والا ڈاکٹر دولہا مالدار دلدار.....خوب نخرے اٹھائے۔ سال بعد بچی پیدا ہوئی۔ عقیقہ بڑی دھوم سے منایا۔ نام صدف رکھا۔ خدا کی دین دیکھو1960ء میں ڈاکٹر دولہے کو سعودیہ کی عمدہ ملازمت ملی۔ اب صدف کی پیدائش خوش قسمت کہلائی۔ چاندی ہی چاندی۔ بیوی بچی کے ہمراہ وہیں آباد ہوگئے۔ ہر سال ہم سے ملنے ضرور آتے رہے۔ بلڈنگ میں کھلبلی مچتی کہ ریحانہ آرہی ہے۔ قیمتی کپڑوں میں ملبوس، کانوں میں گلے میں ہاتھوں میں چمکتا دمکتا سنہرا سونا ہی سونا کہ دیکھنے والا دنگ رہ جاتا۔ صحت قابل رشک ہوگئی تھی۔

جب بچی تین سال کی ہوگئی تو بیٹا پیدا ہوا۔ نام فاخر رکھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد ڈاکٹر صاحب جرمنی چلے گئے۔ اب فاخر خوش قسمت کہلایا۔ وہاں ڈاکٹری میں مزید تعلیم حاصل کی، اچھی ملازمت ملی اور تین چار سال وہیں رہے۔ پھر امریکہ کوچ کر گئے۔ اب ہر تین سال بعد پاکستان آتے رہے۔ ہمارے لئے بہت سارے تحفے لاتے رہے۔ انکی زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اردو، عربی کے بعد انگریزی

زبان میں گفتگو اختیار کی۔ غذا میں پھیکے پھیکے کھانے، سینڈوچ، برگر، پاستہ، سلاد پھل اور کوک ضروری تھا۔

پہناوا بھی بدل گیا۔ پینٹ پر جرسی، چھوٹی قمیض یا چھوٹی کرتی ہوتی، لمبی چٹیا کٹ گئی اور بال گردن تک! سائیکل، بائیک اور کار چلانا سیکھی۔ پھر ریحانہ نے M,B,A بھی کرلیا، کمپیوٹر سیکھ لیا۔ مختصر کپڑوں میں تیراکی بھی سیکھی۔ گھوڑا پیارا ہوگیا تو کتا گھر کا ہوگیا۔ دولہے میاں کی غیرت ڈولی تو ہم سب کو ریحانہ کی مختصر لباس میں تیراکی کرتے ہوئے ایک فلم دکھائی۔ سچ ہے کہ حیا گئی تو ایمان بھی چلا گیا۔ بچے امریکہ یورپ کی آزاد فضا میں پلے بڑھے۔ انہی کے اداروں میں پڑھے لکھے۔۔ بچوں کو بے بی کیئر کے حوالے یا پھر اسکول ہوسٹل میں چھوڑ کر ریحانہ بھی مردوں کی طرح آفس جانے لگی۔

بچے انگریزی لب ولہجہ میں جب قرآن مجید سناتے تو اللہ گواہ ہے کہ ایک لفظ بھی عربی کا نہیں لگتا تھا۔

ماحول کا اثر ان کے اندر خوب رچ بس گیا تھا۔ ایک مرتبہ ریحانہ نے نشاط سے کہا ''اگر تمہارے میاں نے دوسری شادی کرلی ہے تو پوری عمر کا غم کیوں پال رکھا ہے۔ چلو میرے ساتھ امریکہ وہاں بوائے فرینڈ بناؤ اور مزے کرو۔''

کبھی کہتی ''اُف مشرقی عورتیں تو مردوں کو سر پر چڑھا لیتی ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ نکاح کیا جائے۔ آزاد رہو اور دوستی رکھو۔''

ایک موقع پر کہا ''آپا جان ترقی کرنا ہو تو جس ملک میں رہو ویسا ہی بنو تو ترقی ہے ورنہ خسارہ۔''

بچے مادر پدر آزاد فضا میں پروان چڑھے تھے تو ویسے ہی خیالات رکھتے تھے۔ بے شرم کو بولڈ کہتے اور حیادار کو نروس۔ ''آنٹی آپ اتنے برس تک ایک ہی مرد کے ساتھ گزارا کیسے کرلیتی ہیں..... یورپ میں تو ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں مرد چینج کرتے رہتے ہیں۔'' صدف نے بھی M,B,A کرلیا اور فاخر ایک قابل تعریف سرجن ڈاکٹر کہلایا۔ ملازمت کے سلسلے میں دونوں بھائی بہن الگ الگ ریاست میں جا بسے۔ شہرت ہی شہرت ڈالر ہی ڈالر۔ اب بچے ہیرے کہلائے۔ ناچ گانا اور شراب وکباب والا رہن سہن تھا۔

فاخر کی شادی کراچی کی خوبصورت لڑکی سے کروائی۔ اس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ تین سال بعد میاں بیوی کی تو تو میں میں طلاق پر ختم ہوگئی۔ ماں بیٹی کو لیکر علیحدہ ہوگئی اور ایک شناسا گورے سے شادی رچالی۔ بیٹی صدف نے شادی نہ کرنے کا اعلان کردیا تھا۔ وہ اپنی ملازمت اور دوستوں میں مست تھی۔

ماں باپ دونوں بچوں کی بے راہ روی کا صدمہ لئے جی رہے تھے۔ اگر بچوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے تو وہ جواب دیتے۔ ''آپ لوگ اپنی مرضی کی زندگی گزار چکے ہو۔ اب ہمیں مت ٹوکیں۔'' ایک مرتبہ زندگی سے اکتا کر ڈاکٹر صفدر حسین نے ریحانہ سے کہا تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی اور میرے بھی گھٹنوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے کیوں نہ ہم اپنا بوریا بستر لیکر پاکستان اپنی حویلی میں واپس چلے جائیں اور پھر وہیں رہیں گے۔''

''ہیں.....اور بچے؟''

''ریحانہ اب وہ امریکن بچے ہیں ہمیں بھی اس محل میں تنہا چھوڑ گئے اپنا اپنا محل بنانے گئے۔''

''بچوں کے بغیر آپ رہ سکیں گے۔''

''مجبوری ہے آخر وہ بھی ہمارے بغیر رہ رہے ہیں۔''

''صفدر مگر ویک اینڈ پر تو آتے ہیں۔''

''اس کا کیا فائدہ! یاد رکھو بچے سب سے بڑی دولت ہیں بڑھاپے کا سہارا اور آخرت کا صدقہ جاریہ۔ مگر ہم نے تو سب کچھ کھو دیا۔''

ڈاکٹر صفدر کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔''اب بڑھاپے میں عقل آئی۔ جبکہ چڑیا چگ گئی کھیت اور ہم سراب کے پیچھے بھاگتے رہے خواہ مخواہ!''

ریحانہ کے اندر ایک کہرام برپا ہو گیا۔ ایک حشر طاری ہو گیا۔ سانسیں نوحہ کناں ہو گئیں اور دھڑکنوں سے بین کی صدائیں اٹھنے لگیں۔ ہائے میرے بچے کھو گئے..... فرعونی تہذیب کے ہو گئے۔ تنہا تنہا کچی پکی عقلوں کے ساتھ معیار زندگی کے پیچھے بے سدھ بھاگے چلے جا رہے ہیں جیسے..... جیسے صفدر ہم بھاگتے رہے ہیں..... اب بڑھاپا آیا ہے تو ایک ٹھہراؤ آیا۔ سانس لینے کو رکے تو سمجھ میں آیا۔ کہ معیار زندگی بنانے کے پیچھے فضول ہی بھاگتے رہے۔ اتنا کما لیا ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد جائیداد اور دولت یونہی پڑی رہے گی۔ بچوں کو تو ضرورت نہیں رہی۔ اب کیا ہو گا۔''

''کچھ بھی نہیں..... صرف دعا''

''صفدر اب ہم یہیں رہیں گے جہاں ہمارے بچے ہیں۔''

لوزیانہ ساحلی علاقہ ہرا بھرا ہے۔ اس میں ریحانہ جبیں کا محل نما مسکن ہے۔ دو منزلہ، بہت بڑے لاؤنج میں خوبصورت کارپیٹڈ سیڑھیوں کو پار کرو تو اوپر کی منزل میں پہنچ جاؤ۔ چار عدد شاندار بیڈ رومز، ایک بڑا ٹی وی لاؤنج، بہت خوبصورت لمبا چوڑا ڈرائنگ روم، خوبصورت کچن ..... قیمتی پردے، قیمتی فرنیچر، قیمتی ڈیکوریشن پیس..... بلب، نلکے، ہنڈلز، کیل کانٹے، برتن کراکری، جو بھی چیز دیکھو حیران ہو جاؤ۔ کس چیز کی کمی ہے سمجھ میں نہیں آتا بچوں کی دوڑ۔ اوپر کی منزل بیٹے فاخر کے لیے تھی۔ اور اب طلاق کے بعد غیر آباد۔ امریکہ کا ڈاکٹر..... بے سکون..... شرابی!

مکان کے چار اطراف ہریالی ہی ہریالی ہے، پھول ہی پھول، خوشبو ہی خوشبو، رنگ ہی رنگ، باغیچہ ہے یا جنت! رہنے والے مکین دو عدد..... 78 سالہ صفدر اور 68 سالہ ریحانہ جبیں..... ریحانہ کی چھاتیاں کینسر زدہ ہیں۔ عجیب وغریب انگریزی دوائیوں کے اثرات ہیں۔ بے زار بیمار..... کیمو تھراپی برداشت سے باہر، سر کے بال مختصر رہ گئے۔ بھنوؤں اور پلکوں کے بال غائب۔ جسم میں مستقلاً کپکپاہٹ..... موٹی فربہ..... چلنا دوبھر، نہ کہیں جا سکتی ہے اور نہ ہی کسی کو دو گھڑی کی فرصت ہے کہ اس کا دل بہلا سکے ہمت بندھا سکے۔ صفدر خود بوڑھا گنٹھیا کا مریض۔ بات بے بات دونوں لڑتے ہیں آہیں بھرتے ہیں۔ اپنے پاکستان کو یاد کرتے ہیں۔ گلی کا موچی اور سڑک کا جمعدار بھی یاد آتا ہے۔ امریکہ کے بڈھا گھر کے بڈھوں کی طرح بچوں کو یاد کرتے ہیں۔ خوابوں میں بھی اپنے لخت جگر کو پکارتے ہیں۔ مشرقی ماحول کی خوبیاں گنتے ہیں۔

''صفدر! سنو..... جب خالہ آمنہ بیمار تھیں تو تمام رشتہ

داروں نے باری باری اسے بھی سنبھالا اور اسکے گھر کو بھی!''

اور ریحانہ یاد ہے جب پھوپھا کو کینسر ہوا تو خاندان بھر نے کس طرح لاڈ پیار دیا۔ آخری سانس تک!''

''ہاں یاد ہے۔ ہمارے ماحول میں خاندانی نظام ہے۔ بدقسمتی سے مغرب اس سے محروم ہے۔''

''ریحانہ یہاں تو خدمت خلق کے بھی پیسے لئے جاتے ہیں''

ہم سمجھتے تھے کہ ترقی ہے۔ مگر اب پتہ چلا کہ تہذیب کی موت ہوگئی ہے۔ خودغرضی اور غداری۔ ہمارے تو جھونپڑوں میں سکون ہے۔''

ایک مرتبہ پاس پڑوس سے ایک گوری سہیلی آئی۔ وہ چھٹیوں پر تھی۔ تھوڑا وقت نکالا۔ اس کی شادی ایک مصری ڈاکٹر سے ہوگئی تھی تو وہ بھی مسلمان ہوگئی۔ دونوں سہیلیاں مل بیٹھیں۔ خوب باتیں ہوئیں۔ پرانی کہانیاں مجھی۔ ہنسی مذاق ہوا۔ باتوں باتوں میں بڑھاپے کی زندگی پر پھر موت پر بحث چلی۔ ریحانہ بولی ''دیکھو میرئین! جب میں مرجاؤں تو مجھے عیسائی قبرستان میں دفنانا کیونکہ وہ خوبصورت اور ہرے بھرے ہوتے ہیں۔ رنگ رنگ کے پھولوں سے سجا قبرستان ہوتا ہے۔''

''اور ریحانہ'' میرئین بولی ''اگر میں مرجاؤں تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا۔ خواہ جھاڑ ململ رہی کیوں نہ ہو۔ کم ازکم قبر کے ساتھی نیک ہونگے اور سکون ہی سکون ہوگا۔''

ریحانہ بعد میں اداس بیٹھی تھی۔

''صفدر! میرئین چلی گئی۔ تھوڑی سی ملاقات نے کتنی خوشیاں لٹادیں۔''

''اسی لئے تو کہتا ہوں کہ واپس کراچی اپنی بلڈنگ میں چلو۔ وہاں ہمارے چاہنے والے آنکھیں بچھائے بیٹھے ہیں۔ ہمیں ہماری بیماریوں کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔ ہمارے ڈھیر سارے ڈالرکس کام کے؟''

''بس کرو، میں وعظ سننا نہیں چاہتی۔''

کوئی ہے جو ریحانہ سے کہہ دے کہ پگلی مذہب ہی زندگی ہے، سکون ہے۔ ہدایت کا یہی وقت ہے۔ پگلی سکون تو تیرے گھر میں..... گوٹا کناری لگے مخملی جزدان میں لپٹا احترام سے ڈرائنگ روم کی دیوار پر خوبصورت لکڑی کے بنے چھوٹے سے شیلف میں حفاظت سے رکھا ہوا ہے۔ کبھی کھولا ہے اسے؟ پڑھا ہے اسے۔ اب اسکو سمجھ کر دل کی گہرائیوں میں اتارنے کا موقع مل گیا ہے۔ تم تو اللہ کی رحمت کو دور بھگا رہی ہو۔ قدرت نے تمہاری ہدایت کچھیا تمہارا دروازہ کھٹکھٹانے والے بھیجے، مگر افسوس تم تو سرسبز وشاداب پتے کی بجائے خزاں رسیدہ سوکھا پیلا سفید پتہ بن گئیں..... جو درخت سے گر کر راہ میں پڑا ہو..... ہوا کے ہلکے جھونکے سے اڑتا سوکھا پتہ..... جو کسی کے بوٹ کے نیچے آکر چورم چورم ہونے والا ہو.....!

☆☆☆

سارہ اسماعیل

اعتراف

''نعمتوں کی قدر کرو، رزق کو صحیح برتو اور انکو ضائع نہ ہونے دو۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتیں ضائع ہوں تو اللہ واپس لے لیتا ہے۔''

یہ جملے بچپن ہی سے اماں، نانی، دادی کے ذریعے نادیہ کے کانوں میں پڑ رہے تھے بلکہ اس نے یہ بھی دیکھا کہ بڑے نہ صرف اپنی پلیٹ پونچھ لیتے بلکہ دسترخوان میں پلیٹ کے اردگرد گرے ہوئے ذرات اٹھا کر تناول کر لیتے اور پھر یہی اصرار بچوں سے بھی ہوتا۔

لیکن اب جبکہ شادی شدہ زندگی میں پوری ہی گھر داری نبھانی تھی تو ہر قدم پر ساس کے یہ ارشادات اسکی سماعت پر ناگوار گزرتے اور پھر انکے مشورے جن پر عمل کرنے سے نادیہ سمجھتی تھی کہ گھریلو ذمہ داریاں تو ویسے ہی ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں اور اب اوپر سے پورا دن بچے ہوئے پھل، سبزی اور دودھ کو ٹھکانے لگانے اور کپڑوں کے بچے ہوئے ٹکڑوں پر دماغ لگا کر کونسے محل تعمیر کر لینے ہیں۔ پتہ نہیں ساس اماں یہ کیوں سمجھتی ہیں کہ گھر میں نظر آنے والی ہر نعمت انکی پچھلے وقت میں کی گئی بچت کا نتیجہ ہے۔

ابھی کل شام ہی کی تو بات ہے، سمیرا بھابھی اپنے بچوں کے ساتھ آ گئی تھیں۔ نادیہ نے حسب عادت مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور انکو اماں کے پاس بٹھا کر جلدی جلدی میز لگانے لگی۔ کچھ پھل کاٹ لیا، ساتھ میں ریڈی میڈ نگٹس فرائی کر لئے۔ کیچپ، چٹنی وغیرہ خوبصورت کٹوریوں میں نکال کر میز سجادی اور اتنی دیر میں فہد کو بھیج کر بچوں کے لئے جوس اور بیکری کا سامان بھی منگوا لیا۔ اپنی سجائی ہوئی میز پر طائرانہ نظر ڈال کر بھابھی کے پاس آ گئی۔ چائے بھی پی لی گئی اور بچوں نے ذائقے دار چیزوں سے خوب مزا بھی لیا۔ میاں اور دادی بھی خوش ہو گئے۔ باتوں باتوں میں میز بھی سمٹ گئی اور برتن سنک کے ایک کونے میں جمع ہو گئے۔ اب مرحلہ تھا بچی ہوئی چیزیں سمیٹنے کا، ان سب کو نادیہ نے شیلف کے ایک کونے میں رکھا اور باہر آ گئی۔

اماں کچھ دیر تو بچوں کے ساتھ انکی خوش گپیوں سے محظوظ ہوتی رہیں پھر باروچی خانہ میں آ گئیں۔ انکے درست اندازے کے مطابق خربوزے کی پھانکوں اور نگٹس کے ٹکڑوں پر ایک آدھ مکھی بھنبھنا رہی تھی۔ کیچپ اور چٹنی کی کٹوریاں جھوٹے برتنوں میں رکھی تھیں۔ انہوں نے فوراً چھوٹی ٹرے نکالی اور ان پر دو پرچ رکھ کر خربوزے اور نگٹس رکھے، چٹنیاں، کیچپ انگلی سے سمیٹ کر ایک طرف کئے اور نگٹس کے اوپر ڈال دیئے۔ اتنی دیر میں کیتلی میں بچی ہوئی چائے گرم ہو چکی تھی جو دو گھونٹ تھی اس میں تھوڑے سے دودھ کا اضافہ کر کے پیالی میں الٹا اور فہد کو آواز دے کر وہ ٹرے گھر کے باہر بیٹھے ہوئے موچی کو بھجوادی جس نے ساتھ ہی اپنا بکس رکھ کر

دکان سجائی ہوئی تھی۔فہد جب ٹرے لیکر لاؤنج سے گزرا تو نادیہ کے اندر ابال سا اٹھا۔

''دیکھا بھابھی دیکھا آپ نے..... جتنے بھی سگھڑاپے سے چل لو لیکن جتانے گچھیا کوئی نہ کوئی خامی نکال ہی لیتی ہیں۔ مجھے اماں سے کوئی شکایت نہیں مگر اب.....''

یہ مگر منہ ہی میں رہ گیا کیونکہ سامنے اماں چلی آرہی تھیں۔

''چلو بھئی مغرب کی اذان ہونے والی ہے، بچو پہلے سے وضو کرلو ورنہ اذان کے بعد لائن لگے گی۔ شاباش میرا بچہ شاباش۔''

وہ یہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلدیں مگر نادیہ کو یہ محسوس ہورہا تھا کہ کھایا پیا سب حلق میں اٹک رہا ہے۔ بھابھی کہنے لگیں۔

''بھئی نادیہ سچی بات ہے کہ تمہارا ہی حوصلہ ہے جو اب تک نبھا رہی ہو، ورنہ میں نے اسلم سے کہہ سن کر اسی لئے الگ ہونا ضروری سمجھا ہر وقت کی روک ٹوک، بھئی چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ بندہ کہاں تک اتنی ذمہ داریاں نبھائے، فیڈر میں دودھ اتنا بناؤ کہ ضائع نہ ہو، روٹیاں بچ جائیں تو فوراً فریزر میں رکھ دو تاکہ اگلے دن کام آجائیں اور اگلے دن اسی حساب سے روٹیاں بنیں تاکہ پچھلے دن کی خرچ ہوں۔ سالن بچ جائے تو چاول ڈال لو ورنہ انڈے ابال کر سالن میں رکھ کر کسی ضرورت مند کو بھجوادو، درزی کپڑا بہت ضائع کرتا ہے ان بچے ہوئے ٹکڑوں سے بڑی اور اچھی فراکس اور جھبلے بن جاتے ہیں۔ اب بھلا بتاؤ کون آج کل پرانے کپڑوں اور دھجیوں کو جمع کر کے تکیے بناتا ہے۔ ایک سے ایک شاندار چیز بازار میں بھری پڑی ہے پھر کیا ضرورت ہے کہ گھر میں دسترخوان اور صافیاں بنائی جائیں۔''

بھابھی نے ناگواری سے سر جھٹکا اور نادیہ اپنے آپ کو اور مظلوم سمجھنے لگی لیکن یہ اسکی خوبی ہی تھی جس کی وجہ سے اس کا اماں کے ساتھ نبھا ہورہا تھا۔ وہ فوراً ہی اماں کی حمایت میں بول پڑی۔

بھائی صحیح بات تو یہ ہے کہ اماں کفایت شعاری اور رزق کی بے حرمتی کے علاوہ اور کسی بات پر نہیں روکتی ٹوکتیں۔ بے شک مجھے بہت برا لگتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ کوشش کرتی ہیں کہ گھر میں کوئی چیز ضائع نہ ہو، انکو یہ خوف رہتا ہے کہ شاید یہ چیزیں ہم سے ناقدری پر چھین نہ لی جائیں۔''

کیا قحط آنے والا ہے یا ہمارا کاروبار تباہ ہونے والا ہے۔'' بھابھی نے مضحکہ اڑایا۔

''اب دیکھو دودھ کی خالی پتیلی میں بھی پانی اور نمک ڈال کر کچی لسی بناتی ہیں، کبھی طبیعت ہو تو خود پی لیتی ہیں ورنہ کام والی ماسی کو برف ڈال کر دے دیتی ہیں۔ اف توبہ اب ہم تو ان جھنجھٹوں میں پڑنے سے رہے۔ ہماری جان کو کوئی ایک کام تو ہے نہیں، اب انکے زمانے میں نہ تو بچوں کی ایسی پڑھائیاں اور نہ ہی نت نئی فرمائشیں''

اب یہ بھی ہمارا قصور کہ بچوں کی ڈیمانڈز بڑھانے میں ماں باپ کا ہاتھ ہوتا ہے، جتنے نت نئے ذائقے منہ کو لگاؤ بچے اتنے ہی فرمائشی پروگرام جاری کرتے ہیں۔ اور یہ کہ بھئی ہمارے وقت میں تو روٹی پر زور دیا جاتا تھا کہ کسی طرح روٹی

پیٹ میں پہنچ جائے۔ سالن ہوتو سبحان اللہ ورنہ دہی چٹنی جو میسر آتی کھا لیتے بلکہ گرم گرم روٹی اترتی رہتی اور بچے روکھی ہی شوق سے کھا لیتے۔ صحتیں بھی اچھی تھیں نہ کہ آجکل کی طرح اتنی نعمتیں ہونے کے باوجود بچوں کے حلقے پڑ رہے ہیں۔ ذرا سی محنت نہیں کر سکتے، کتنی جلد تھک جاتے ہیں۔

سمیرا ابھا بھی کے ساتھ محفل تو مغرب کی اذان کے ساتھ ہی تمام ہوئی لیکن نادیہ گچھیا تو یہ ہر وقت کا مسئلہ تھا۔ اسے یاد تھا جب شروع شروع میں اس نے کچن سنبھالا تو ایک دفعہ میاں کے جانے کے بعد ناشتے سے فارغ ہوکر دوپہر کی ہنڈیا لیکر بیٹھ گئی۔ جلدی جلدی پیاز بنا کر چولہے میں سرخ ہونے گچھیا رکھ دیئے اور دوسری سبزی ساتھ ہی بنانی شروع کر دی اتنی دیر میں اماں باورچی خانے میں کسی خیال سے آئیں تو پیاز کے تجہیز دیکھ کر اچھل ہی پڑی تھیں لیکن نرم لہجہ اختیار کر کے بولیں۔

''بٹیا! پیاز کا اتنا موٹا چھیڑ نہیں اتارتے اس طرح تو بڑی مقدار میں ضائع ہوجاتی ہے ویسے تو ماشاء اللہ بہت باریک پیاز کاٹی ہے اور سبزی بنانے میں بھی بہت نفاست ہے۔ اللہ کا شکر ہے میری بہو ہر کام نفاست سے کرتی ہے لیکن بیٹا کوشش کیا کرو کہ رزق ضائع نہ ہو، اللہ کی دی ہوئی نعمت کی قدر نہ ہوتو اللہ واپس لے لیتا ہے۔''

''لیکن اماں اگر پھر پیاز صحیح نہ کٹے تو اچھی لال بھی نہیں ہوتی۔''

نادیہ شرمندہ ہوکر بولی تو اماں نے کہا ''نہیں بیٹا ہوجاتی ہے ویسے بھی جب عورت اچھی نیت اور محنت کے ساتھ کھانا بناتی ہے تو اللہ اس میں ذائقہ بھی دے دیتا ہے اور اگر تم پھر بھی مطمئن نہ ہوتو یہ اوپر کے موٹے پرت صاف کر کے ایک شاپر میں ڈال کر فریزر میں جمع کرتی رہا کرو جب کبھی چاول یا بھنی سبزی بناؤ تو اس میں ادھ کچرا کر کے ڈال دیا کرو۔''

''جی اچھا امی'' اور یہی اسکی خوبی تھی کہ اسکی ساس نے اس سے کبھی ناں نہیں سنا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی بہو سے بہت خوش تھیں اور چھوٹی عمر کا تقاضا سمجھتے ہوئے اسکی بہت سی لاپروائیوں کو نظرانداز کر دیا کرتی تھیں۔ ایک ہفتہ سے اماں اپنی چھوٹی بیٹی کے پاس رہنے گچھیا دوسرے شہر گئی ہوئی تھیں اور مزید ایک ماہ رہنے کا ارادہ تھا۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا، گھر کے تمام کام معمول کے مطابق ہو رہے تھے اماں کی کمی ویسے تو سب کو ہی محسوس ہو رہی تھی خصوصاً بچے تو دادی کو ابھی سے واپس بلانے گچھیا شور مچا رہے تھے۔

لیکن ایک اور چیز بھی تھی جو نادیہ کو بار بار کھٹک رہی تھی، بلاشبہ ان دنوں نادیہ زیادہ فراغت محسوس کر رہی تھی مگر اس کو یہی خیال ستا رہا تھا کہ ان چھ سالوں میں بھی اماں کے ساتھ رہتے ہوئے اسے رزق اور نعمتوں کی قدر نہ آئی تھی، فرج میں دودھ تین دن سے جمع ہو رہا تھا اور پھر دہی بازار سے آ رہا تھا۔ شام کو اکٹھا کر کے میٹھا بنانے کی غرض سے اٹھی تو ایک وقت کا دودھ خراب ہو چکا تھا، دل مسوستے ہوئے اسکو ضائع کرنا پڑا۔ درزن کپڑے لینے گچھیا آئی تو بغیر بیونت کیے اس کو کپڑے کا تھیلا ناپ سمیت پکڑا دیا۔ حسب نتیجہ بچا ہوا کپڑا غائب تھا نادیہ نے پوچھا تو ٹال مٹول۔ ''اس جوڑے کا کپڑا کم تھا بڑی مشکل سے بنا ہے، ہاں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بچے تھے وہ

بھول آئی ہوں اگلی دفعہ لیتی آؤں گی۔''

اب نادیہ کیا بحث کرتی، حالانکہ اماں ہمیشہ جتنا بڑا کپڑ ا بچتا اتنا ہی بڑا جھبلا یا فراک بنوالیتیں اور پھر نادیہ کبھی اپنے بھانجی، بھتیجی یا اماں اپنے نواسہ نواسی کچھیالے جاتیں۔ بہرحال اب تو ہوگیا جو ہونا تھا آئندہ دھیان کرونگی انشاءاللہ، اس نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا۔

دوپہر کو بچے اسکول سے آئے تو انکو کھانا دینے کے ساتھ ہی خود بھی بچوں کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ کھانے کے بعد ابھی کھانا منجھا نہ تھا کہ معدے میں زوردار درد اٹھا۔ اسکی اذیت اتنی تھی کہ وہ وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔ بچے بھی اسے ایسی حالت میں دیکھ کر پریشان ہوگئے، اسے سہارا دے کر اندر لائے اور باپ کو فون ملا کر ساری صورتحال بتائی۔ اسد بھی تھوڑی دیر میں گھبرائے ہوئے پہنچ گئے۔ اتنی دیر میں بھی درد کی شدت میں کمی نہ آئی تھی اور اسکی چیخوں سے گھبرا کر بچے بھی رونے لگے۔ اسد نے بھی اسے فوراً ہسپتال لے جانے کچھیا گاڑی نکالی۔ ہسپتال میں فوری طور پر تو کچھ دوائیاں دے دی گئیں اور ساتھ ہی کچھ ٹیسٹ اور کھانے میں ہر چیز منع کردی سوائے پھیکا اور بغیر چکنائی کے کھانے کے۔

صحت بھی ضروری تھی لہٰذا روزانہ پھیکا اور کم چکنائی کا سالن بننے لگا۔ اسد کو بیوی کو تکلیف کا بہت احساس تھا لہٰذا طے یہ پایا کہ اب یہی سالن سب کھایا کریں گے اور نادیہ کے بہت اصرار کے باجود کہ دو سالن بنانے کونسے مشکل ہیں اس نے یہی سمجھایا بھئی ہمیشہ کیا ہے تم نے اور آگے بھی انشاءاللہ تمہی کر کرنا ہے لیکن ابھی آرام بھی ضروری ہے۔ جس دن نادیہ میاں یا بچوں کی محبت میں کچھ دوسرا بنالیتی اس دن ایک آدھ نوالہ بھی اسکی تکلیف بڑھا دیتا۔ ڈاکٹرز نے السر تشخیص کیا تھا اور یہی صلاح دی تھی کہ پرہیز زیادہ بہتر ہے دوائیوں سے، لہٰذا اس نے سخت پرہیز شروع کردی۔ کمزوری تھی کہ بڑھتی ہی جارہی تھی حتیٰ کہ گھر کے معمول کے کام بھی بعض دفعہ کرنے مشکل ہوجاتے۔

اماں جب کراچی سے واپس پہنچیں تو نادیہ کی صحت دیکھ کر حیران رہ گئیں اور جب کھانے کی میز پر اسکو پھیکا سیٹھا کھانا کھاتے دیکھا تو اور پریشان ہوگئیں۔ انہیں یاد تھا کہ جب اسکے بچے ہوتے تو زچگی میں انہیں نادیہ کو یہ پھیکا کھانا چند دن بھی کھلانا مشکل ہوجاتا اور اب.....

''جی امی مجھے معدے کی تکلیف ہوگئی ہے۔''

یا اللہ یہ کوئی عمر ہے ان تکلیفوں کی..... بیٹا ٹھیک سے دکھایا ہے ڈاکٹر کو؟''

''جی امی اب تو میں تنگ آگئی ہوں ٹیسٹ وغیرہ سے.....''

چلو بیٹا اللہ کی طرف سے آزمائش ہے دوائی کے ساتھ دعا بھی کرو میں انشاء ہر نماز کے بعد دم کرونگی اللہ ضرور صحت دے گا۔''

''جی امی''

اس وقت کے بعد سے اماں جی ہر نماز کے بعد دم کرنے لگیں ویسے بھی کوئی نہ کوئی ان سے ملنے کچھیا چلا آتا کبھی ان کے بچے یا ان کے اپنے بہن بھائی لیکن انہوں نے اپنا معمول نہ توڑا اور پابندی سے دم کرتی رہیں۔ یہ دیکھ کر ان کا دل دکھتا

رہتا کہ نادیہ ہر آئے گئے کچھیا اتنا اہتمام کرتی ہے مگر خود اس میں سے ایک نوالہ بھی نہیں توڑ سکتی۔

ظہر کی نماز کے بعد اماں دم کی غرض سے نادیہ کے پیچھے کچن میں پہنچی تو دیکھا نادیہ کی آنکھوں میں آنسو تھے انہوں نے دلار سے کہا ''کیا ہوا بیٹا؟''

''اماں جی!'' نادیہ انکے گلے لگ گئی۔

''ہوا کیا ہے؟'' اماں بوکھلا گئیں۔

''اماں آپ ٹھیک کہتی تھیں میں نے رزق کی ناقدری کی تھی اس لئے میرے لئے آزمائش ہے۔ دیکھیں پتیلی میں تھوڑے سے چاول لگے تھے میں نے سوچا ایک نوالہ ہے پونچھ لوں لیکن مصالحے والی بریانی میری تکلیف بڑھا دیتی ہے۔ صحت مندی میں مجھے جو بچا ہوا سالن پونچھنا مشکل لگتا تھا آج وہی ایک نوالہ مجھے لالچ دیتا ہے لیکن میں اس ایک ایک نوالے کو ترس گئی ہوں۔ کھانے کی ہر نعمت سے مجھے پرہیز ہے۔ اچھے کپڑے موجود ہیں لیکن انکو پہننے کی نہ ہمت ہوتی ہے نہ دل کرتا ہے، شکل بھی ایسی ہوگئی ہے کہ اب ہر چیز سے بیزاری ہوتی ہے۔''

اماں نے اس کو پکڑ کر کرسی پر بٹھایا۔ ''نہ بیٹا اللہ کسی بھی غلطی پر اس طرح سزائیں نہیں دیتا لیکن اگر تم سمجھتی ہو کہ تم سے کوئی کمی کوتاہی ہوئی ہے تو اسے دور کرنے کی کوشش کرو، اللہ بڑا قدردان ہے، بلاشبہ صحت اور بیماری اسی کے ہاتھ میں ہے۔''

اماں نے اسے گلاس میں پانی ڈال کر دیا لیکن نادیہ کو یہ محسوس ہوا کہ اسکی غلطی کے اعتراف اور احساسِ ندامت نے اس کے معدے میں وہ ٹھنڈک اور سکون اتار دیا ہے جسکے لئے وہ اتنی دوائیاں کھانے کے بعد بھی ترس رہی تھی۔

☆☆☆

واپسی

میری بیوی میرے ہزار کہنے پر بھی ابتسام اور قاسم کو ساتھ لانے پر تیار نہیں ہوئی اس کا خیال تھا کہ اس کا وقت نہیں آیا۔لیکن آئے گا اسے امید تھی۔ انشاء اللہ امید ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں عجیب انداز میں جگمگانے لگتی تھیں۔ مجھے اس کی امید سے جگمگاتی آنکھیں ایک طرح شرمندہ کر دیتی تھیں۔ کیونکہ جب بھی میں نے اپنے دل کا جائزہ لیا امید کو اتنا روشن کبھی نہیں پایا۔

''تم اپنے بیگ میں کیا کیا رکھ رہی ہو۔'' میں اسے بیگ میں ایک ہفتے پہلے سے کچھ نہ کچھ رکھتے دیکھ رہا تھا۔اس کی تیاری عروج پر تھی لیکن اپنے اس جوش اور جذبے کو ہر ایک سے چھپا رہی تھی یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی..... ایک نوٹ بک اس کے بیگ کے ساتھ رکھی تھی۔ اس دن مقررہ تاریخ میں ابھی دو دن باقی تھے..... میں نے کام پر جانے سے پہلے اس کی نوٹ بک کو اٹھایا.....خدیجہ باورچی خانے میں میرے لئے کافی بنا رہی تھی۔ میں نے اس کی یاد دہانی کے نکات پر نظر ڈالی۔ جو کچھ یوں تھی۔ چاکلیٹ دودھ کا ڈبہ،خوشبو کی شیشی،تصاویر،ایک بالوں کا برش۔

واہ..... تیاری تو دیکھو جیسے وہ وہاں اسے ملنے دیں گے۔ مجھے تو ذرا بھی امید نہیں ہے۔ پتہ نہیں وہ وہاں ہے بھی ہے یا نہیں.....اللہ کرے جو بھی ہو وہ ایسا ہو کہ اس کے اعصاب اسے سہار لیں۔

''لیجئے جناب! آپ کی گرم گرم کافی حاضر ہے۔''

خدیجہ کا جوش و جذبہ اور خوشی چھپائے نہ چھپتی تھی۔

میں نے کن اکھیوں سے اس کو دیکھا اور کافی کا پیالہ تھام کر کمرے کے واحد دریچے کی طرف رخ کیا۔ اس دریچے کے سامنے کوئی منظر دور تک کھلا نہ تھا۔ننھا سا صحن اور پھر اس کی دیوار..... ہمارا ایک کمرے کا یہ منا سا گھر جس میں ہم کئی مہینوں سے رہ رہے تھے۔لیکن اس سے پہلے مقدس شہر القدس کا محلّہ ''المغربیہ'' جہاں ہمارا خاندانی گھر تھا۔جس کا سامنے کا باغ تو بڑا تھا ہی لیکن پائیں باغ بھی ہمارے اس موجودہ گھر کا چار گنا تو ہوگا۔

مجھے دریچے کے سامنے بیرونی دیوار پر اپنے گھر کے مناظر نظر آنے لگے۔زیتون کے درختوں اور سیب کی خوشبو سے مہکتا ہوا ہمارا گھر دادا عمادالدین کی سفید براق داڑھی، جو مسلسل ہلتی رہتی جب وہ آرام کرسی پر بیٹھ کر ہمارے کھیل سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ چچا بشام جن کی پیشانی پر کھڑی ناک ان کے مراکشی نسل سے ہونے کی گواہی دیتی تھی۔ دادا تو ہم کو بار بار یہ ہی بتاتے تھے۔ ورنہ ہمیں چچا بشام کی وسیع پیشانی اور کھڑی ناک سے زیادہ ان کی توپ کی جیبوں اور ان کے نئے نئے طرح کے کھیلوں کی ایجاد سے دلچسپی تھی۔

دادا، بابا، بشام چچا اور مجھے شام کو قہوے کی چسکیوں میں اکثر اس بات کی چھوٹی چھوٹی تفصیل سنایا کرتے تھے جب ان کا خاندان مراکش سے سلطان صلاح الدین ایوبی کے جھنڈے تلے مسلمانوں کو صلیبیوں کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے آ کر شامل ہوا۔

''یہ جولائی 1187ء کی بات ہے جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں سے ''حطین'' کی فیصلہ کن جنگ لڑی اور انہیں شکست فاش سے دوچار کیا۔ اور اکتوبر 1187ء میں فاتحانہ اسلامی افواج اپنے امیر کے ساتھ فلسطین میں داخل ہوئیں۔''

''دادا جان! تو کیا اس سے پہلے فلسطین میں مسلمان نہیں تھے'' میں حیرانی سے پوچھتا۔

''کیوں نہیں تھے میرے بیٹے! مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے دور میں پندرہ ہجری 636ء میں ہی فلسطین فتح کر لیا تھا اور امیر المومنین نے خود یروشلم آ کر وہاں کے صلیبی بطریق سے شہر کی چابیاں لی تھیں جو اس نے ایک معاہدے کے بعد خود حضرت عمرؓ کے حوالے کی تھیں۔ اور خاص بات یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں نے بغیر کوئی خون بہائے یہ کامیابی حاصل کی تھی۔''

''حضرت عمرؓ کو وہاں کے لوگوں نے یوں اپنے شہر کی چابیاں دے دی تھیں؟'' میں حیرانی سے پوچھتا۔

''ہاں میری جان! عیسائی بطریق نے ہتھیار ڈالنے کی یہ ہی شرط رکھی تھی کہ امیر المومنین خود آ کر اس کے ہاتھ سے شہر کی چابیاں لیں۔ اس وقت مسلمان اور عیسائیوں کے درمیان وہ مشہور معاہدہ ہوا جسے تاریخ میں ''عہد العمریہ'' کہا جاتا ہے۔''

''یہ کس بات کا عہد تھا؟'' سوال پوچھنے والے چچا ہشام تھے۔

دادا ہلکی سی مسکراہٹ سے ان کو دیکھتے اور سوال کی تہہ میں بیٹھا ہوا مقصد پا جاتے۔ پھر میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کا جواب دیتے۔

''اس معاہدے کی رو سے مقامی آبادی کو پہلی بار مذہبی آزادی حاصل ہوئی اور ان کے کلیساؤں کو بھی تحفظ دیا گیا۔ مسلمانوں کے حسن سلوک سے یہاں کی پوری آبادی جو کنعانیوں اور فلسطینیوں پر مشتمل تھی مسلمان ہوئی۔ اسی دور میں مقامِ معراج پر گنبد خضریٰ جیسی خوبصورت عمارت تعمیر کی گئی۔ مقامی آبادی عرب سے آنے والوں کے ساتھ ان کے انصاف اور رواداری کے باعث خوب گھل مل گئی۔ خوش حالی کا دور شروع ہوا۔ اب مقامی اور غیر مقامی کا کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ عربی زبان سب کی زبان بن گئی۔''

''پھر صلاح الدین ایوبی کو یہاں آنے کی کیا ضرورت ہوئی؟'' بابا بھی چچا بشام کے انداز میں سوال پوچھتے۔

اور دادا اس طرح میری طرف رخ کر کے جواب دیتے جیسے سوال کرنے والا میں ہوں۔

''بیٹا! مسلمانوں کی حکومت جاری تھی لیکن 1099ء میں صلیبیوں نے القدس پر حملہ کیا اور اس پر قابض ہو گئے۔ خوب لوٹ مار مچائی یہاں تک کہ انسانی خون میں گھوڑوں کی ٹانگیں ڈوبنے لگیں۔''

''یا اللہ اتنا خون بہایا'' میرے دل میں گھبراہٹ سی ہوئی۔

''ہاں اٹھاسی سال تک صلیبی یہاں مسلمانوں کو تباہ وبرباد کرنے میں لگے رہے۔ آخر کار ایوبی تلوار میدان میں آئی جس نے مسلمانوں کو انکے ظلم سے نجات دلائی۔ حطین کی فیصلہ کن جنگ میں مسلمانوں نے صلیبیوں کو عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔

سلطان صلاح الدین نے ''محلّہ المغربیہ'' کا یہ قطعہِ زمین ان مراکشی مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا جنہوں نے صلیبیوں کے مقابلے میں ان کا ساتھ دیا تھا۔''

''تو ہم ان مراکشی مجاہدوں کے وارث ہیں؟'' چچا بشام کی پرجوش آواز آئی۔

''ہاں میرے بچو ہم ان کے وارث ہیں۔ اور یہ محلّہ المغربیہ مسلمانوں کی وقف جائیدادیں ہیں۔ یہودی چالبازی کے ساتھ ان پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ دیکھتے ہو نا کہ ابوغنم کی پہاڑی یہودی کالونی بن گئی ہے۔''

''ہاں بابا یہودیوں کی نیت ٹھیک نہیں نظر آتی..... مجھے ان کے ہاتھوں سے خون ٹپکتا محسوس ہوتا ہے۔''

ہاں لیکن یہ جگہ ہم خالی نہیں کریں گے۔ ہرگز خالی نہیں کریں گے، بدذات یہودیوں کے لئے.....'' دادا کی آواز مستحکم اور پرعزم تھی۔

بابا نے دادا کے قول کو نبھایا۔ اگرچہ یہاں رہنا انتہائی خطرناک ہوگیا تھا۔ ہر لمحہ حملے اور بلوہ کا ڈر..... خبر آئی کہ فلاں فلاں محلے میں یہودیوں نے دھاوا بولا اور شقاوت اور درندگی کی ساری حدیں پھلانگ ڈالیں۔ سب سے پہلے بلاۃ الشیخ پر حبرون، ابوقصر، دیریاسین، خان یونس، قلقیلیہ..... آئے دن ایک ہولناک خبر آتی۔

آخر ان ہی حالات میں میری شادی ہوئی، خدیجہ میری زندگی میں آئی۔ دادا اور بابا کے قول کے معاملے میں ڈگمگاتا تو آگے بڑھ کر مجھے سہارا دیتی۔

''نہیں یحییٰ حسینی ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔ ان شقی یہودیوں کے لئے اپنے محلے کو چھوڑ کر ہم کہیں نہیں جائیں گے۔''

حالات خراب تھے المغربیہ کے مسلمان اکثر ہمت کے ساتھ ڈٹے تھے۔ یہودی ابھی اس محلے کو خالی کرانے میں دلچسپی لیتے نظر نہیں آتے تھے۔ وہ ابھی اپنی سرحدوں میں اضافے کے لئے کوشاں تھے۔ شاید ان کے ذہن میں تھا کہ اس پر تو ہم جب چاہیں قابض ہو جائیں گے۔

وہ ایک سخت گرم دن تھا۔ میں کام کے لئے گھر سے نکلا تو دوبارہ اس گھر میں جانا نصیب نہیں ہوا۔ الجواریہ کے پاس انہوں نے مجھے گھیر لیا۔ بغیر کسی بات کے انہوں نے مکوں اور گھونسوں کو بوچھاڑ شروع کی۔ ابتدا میں میں نے مدافعت کی لیکن میں تنہا اور وہ پورا جتھا..... بے ہوش ہو کر گرا تو ہوش آنے کے بعد اپنے آپ کو جیل کی تنگ کوٹھری میں پایا۔

دس سال کی اس قید کے دوران مجھے اپنے بچوں کی شکلیں بھی بھول گئی تھیں۔ خدیجہ ایک دفعہ ابتدا میں مجھ سے ملنے آئی تو میں نے آئندہ آنے سے سختی سے منع کر دیا اور بچوں کو لے کر فوراً فلسطینی کیمپ کا رخ کرنے کا کہا۔

دادا اور بابا تو پہلے ہی اپنے آخری سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ بعد میں خدیجہ نے بتایا کہ اسرائیلی افواج انہیں بھی گرفتار کر کے لے جا چکی ہے۔

خدیجہ میری ہدایت پر بچوں کو لے کر کیمپ چلی گئی تھی۔ میں مطمئن تھا۔ کال کوٹھری میں بھی پرامید تھا۔ اسرائیلیوں کے غیر انسانی سلوک کا اندازہ کسی دوسری جیل کا قیدی نہیں لگا سکتا۔ بس ایک پتھریلی زمین تھی جس پر ہم کو پھینک دیا گیا تھا۔ انتہائی ناکافی خوراک اور اذیت دینے کے نت نئے گُر.....

ایک صبح میں کوٹھڑی میں بیٹھا سورج کی اس کرن کا انتظار کر رہا تھا جو ایک دیوار پر کبھی کبھی نظر آتی تھی۔ نہ جانے کیسے اور کس رخ سے وہ کوٹھڑی میں داخل ہوتی تھی۔ میرے ہزار سراغ لگانے کے باوجود مجھے کبھی پتہ نہ چل سکا۔ شاید یہ اس امید کا استعارہ تھی جو میرے دل میں جاگتی تھی..... ہزار اندھیروں کے باوجود.....

چابیوں کو کھنکھناتا ہوا فوجی کوٹھری کا دروازہ کھول رہا تھا۔ میں نے چونک کر اس کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی سفاکی میں کسی چیز کی ملاوٹ تھی۔ یہ وہ آنکھیں نہیں تھیں جو مجھے اذیت خانے لے جاتے ہوئے نظر آتی تھیں۔ جوش اور خوشی کے ساتھ ملی جلی سفاکیت سے لبریز.....آج کچھ بجھی ہوئی تھیں۔

''کہاں جانا ہے؟''اس کے باہر نکلنے کے اشارے پر میں نے پوچھا۔

''چپ چاپ باہر آ جاؤ'' وہ غرایا

طویل راہداریاں طے کرتے ہوئے وہ مجھے انجان جگہ پر لے جا رہا تھا۔ شاید آخری نیند سلانے، موت کی وادیوں میں اتارنے لگھیا.....اس سوچ کے ساتھ ہی میری زبان پر کلمہ شہادت جاری ہو گیا۔ میں نے دل ہی دل میں خدیجہ اور بچوں کو خدا حافظ بھی کہہ دیا۔

لیکن وہ مجھے جیل سے باہر لے آیا جہاں بہت سے دوسرے فلسطینی قیدی بھی موجود تھے۔ پتہ چلا کہ ہمیں ایک اسرائیلی فوجی کے بدلے میں رہا کیا جا رہا ہے۔ میں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ میری ننھی امید کی کرن روشنی پھیلا چکی تھی۔

مجھے آزادی مل گئی۔ کیمپ میں خدیجہ اور بچوں سے ملاقات بھی ہو گئی۔ قاسم اور ابتسام میرے قد سے اونچے ہو چکے تھے۔ مراکشی نقوش کے جوان رعنا جواب عنقریب القسام بریگیڈ میں شامل ہونے والے تھے۔ یہ خدیجہ نے مجھے فخریہ بتایا۔ اونچے قد اور چوڑے سینے والے بیٹوں کے سامنے تو اب میں بالکل مرنجاں مرنج قسم کا ایک عمر رسیدہ شخص لگتا تھا۔

'' میرا ہشام میرا ننھا.....کہاں ہے میرا ہشام یوسف؟'' یک دم میں نے چونک کر یاد کیا۔ شکلیں بھولی تھیں تعداد تو نہیں۔ میں نے پلٹ کر خدیجہ سے پوچھا۔

قاسم اور ابتسام کو جھنجھوڑا.....سب خاموش تھے، دم سادھے.....

''کیا ہوا کیوں خاموش ہو؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا

خدیجہ مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اندر لائی بستر پر بٹھایا۔ قاسم

کو اشارہ کیا قاسم کوئی ٹھنڈا مشروب لے آیا۔ میرے ہاتھوں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی۔ شدت کی گرمی میں ٹھنڈا تو کیا میں تو برسوں پانی کو بھی ترستا رہا تھا۔ لیکن اس مشروب کا گلاس میرے لبوں تک نہ جا سکا۔

میں نے گلاس کو سختی سے تھاما۔ ''یہ ٹھنڈا شربت میرے ہاتھ میں برسوں بعد آیا ہے لیکن میں اسے نہیں پیوں گا۔ جب تک تم لوگ ہشام کے بارے میں مجھے آگاہ نہیں کرو گے۔''

شاید وہ شہید ہو گیا ہے میں نے ایک لمحہ کو سوچا۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو یہ یوں گم صم نہ ہوتے..... مطمئن ہوتے۔

''کیا بات ہے؟ کچھ تو بتاؤ.....'' میں نے اب ذرا دھیمے سے پوچھا۔

''یحییٰ حسینی !'' خدیجہ نے میرا نام رک رک کر لیا۔ ''ذرا صبر..... ٹھہرو تو..... دم تو لو..... اچھا بس یہ شربت پی لو میں پھر تمہیں ساری بات بتاتی ہوں۔''

''ہرگز نہیں'' میں چلا اٹھا

''اچھا اچھا بتاتی ہوں یحییٰ غصہ نہ کرو۔'' خدیجہ کی آنکھیں نم ہو چلی تھیں۔ ''ہشام ہمارے پاس نہیں ہے۔''

''ہشام کہاں ہے یہی تو میں پوچھ رہا ہوں'' میرے صبر کا پیمانہ چھلکنے کو تھا۔

''المغربیہ کے محلے سے نکلتے ہوئے وہ وہیں تھا اسی گھر میں.....'' میں نے حیرت سے خدیجہ کو دیکھا۔

''ہاں میں قاسم اور ابتسام کے ساتھ گھر واپس آ رہی تھی گھر میں ہشام اور چچا تھے۔ اسرائیلی فوجیوں نے مجھے واپس گھر نہیں جانے دیا، انہوں نے محلے کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ لوگوں کو گھر سے نکال نکال کر مار رہے تھے۔ ایک بھگدڑ تھی۔ افراتفری کے عالم میں میں نے قاسم اور ابتسام کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے۔ انہیں اپنے ساتھ رہنے کا کہا ورنہ اسی بھگدڑ میں یہ بھی گم ہو جاتے۔ بھلا بتاؤ حسینی میں اس گھر میں دوبارہ جا سکتی تھی؟ اسرائیلیوں کا محاصرہ اور خون کے پیاسے درندے.....

''پھر..... پھر چچا ہشام نے میرے بیٹے کی حفاظت کی''

''بس انہوں نے حفاظت کی حسینی! جہاں تک وہ کر سکتے تھے۔''

''پھر..... پھر کیا ہوا؟''

''بس اس سے آگے مجھے کچھ خبر نہیں..... میرا لال میرا شہزادہ ہشام یوسف کہاں ہے..... ہے بھی یا نہیں''

چچا ہشام کے ساتھ یہودیوں نے ہشام کو بھی پکڑ لیا تھا۔ معصوم پالنے کا قیدی..... اس وقت چھ ماہ کا ہی تو تھا!

آنسوؤں کی نہ ختم ہونے والی برسات تھی جو ہم سب کی آنکھوں سے جاری تھی۔ کتنے ماہ گزر گئے۔ لیکن یہ سب ابھی کل کی ہی بات لگتی ہے۔ زخم ایسا تھا کہ بھرتا ہی نہ تھا۔

کل خدیجہ ایک انوکھی خبر لائی۔

یہودیوں کا عید کا دن، انہوں نے القدس کے قدیم شہر کے باسیوں کو وہاں کی زیارت اور داخلے کی اجازت دی ہے۔ لیکن کوئی ثبوت لازم ہے، اس بات کا کہ وہ قدیم شہر کے باسی ہیں۔

خدیجہ کے پاس قاسم اور ابتسام کی پیدائشی سند تھی۔ کیونکہ اس دن وہ انہیں سکول کے داخلے کے لئے ہی لے کر

نکلی تھی۔ خدیجہ کو یقین تھا کہ یہ ثبوت کافی ہوگا۔

بات صحیح نکلی۔ اسرائیلیوں نے ہم دونوں کو کاغذ دیکھ کر داخلے کی اجازت دے دی۔

راستے بڑے انجان تھے۔ نئے محلے بن گئے تھے۔ وہ جدید ترین سڑکوں اور ٹریفک کے اشاروں کے ساتھ ایک نیا انجان شہر تھا جس سے ہم واقف نہیں تھے۔

ایک ٹیکسی ڈرائیور جو شکل سے کچھ فلسطینی عرب لگ رہا تھا، ہم نے اسے روکا اور محلّہ المغر بیہ جانے کچھیا کہا۔ وہ فلسطینی ہی نکلا جو کسی اسرائیلی کی ٹیکسی کرایہ پر چلاتا تھا۔ اس کا نام عبداللہ باسم تھا۔ المغر بیہ کی بیرونی سڑک پر اتار کر وہ خوش دلی سے بولا ''واپسی کچھیا مجھے اس نمبر پر کال کر لینا۔''

میں نے سر ہلا دیا۔

محلّہ ابھی اتنا تبدیل نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ کافی جدید گھر بن چکے تھے۔ ہماری گلی کا آخری گھر جو ہمارا تھا ابھی تک ویسا کا ویسا ہی تھا۔ موٹی دیواروں اور وسیع باغوں کے ساتھ لیکن صدر دروازہ بدل دیا گیا تھا۔ موٹی لکڑی کا تراشا ہوا ایک بڑا گلاب کا پھول صدر دروزے کے اوپر لگا تھا۔

خدیجہ نے جلد بازی سے اطلاعی گھنٹی پر ہاتھ رکھا۔

''کون ہے؟'' ایک سیاہ حبشی چپٹی ناک والا دروازہ کھول کر باہر آیا۔

''ہم کو تمہاری مالکہ سے ملنا ہے۔'' میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

''کون ہو تم؟''

''اپنی مالکہ سے کہنا ہم حکومت سے اجازت لے کر آئے ہیں اور اس گھر کے اصل مالک ہیں۔''

حبشی نے غور سے ہم دونوں کو دیکھا اور گھونگر بھرے سر کو کھجاتا ہوا چلا گیا۔ ''انگلیاں اس کی سر کی جلد تک پہنچ پاتی ہوں گی؟'' میں نے خدیجہ سے مسکرا کر کہا۔ خدیجہ دھیرے سے مسکرائی اور یہ ہی میرا مقصد تھا..... دباؤ سے آزادی!

دروازہ کھٹ سے کھلا..... وہی حبشی تھا۔ سیاہ ہونٹوں سے سفید دانت جھانک رہے تھے۔ شاید مسکرا رہا ہے، میں نے سوچا، ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔

دروازے کے سامنے والی دیوار خالی تھی۔ القدس کی سنہری جالیوں اور گنبد والی پینٹنگ وہاں سے ہٹا دی گئی تھی۔

راہ داری سے گزرتے ہوئے دریچے سے باغ کا منظر سامنے تھا۔ یہ بالکل ویسا ہی تھا۔ زیتون سیب اور آڑو کے درخت البتہ اب بوڑھے بوڑھے سے لگ رہے تھے۔ درمیان کا کنول نما فوارہ موجود تھا لیکن اس کی کئی پتیاں موجود نہیں تھیں۔

دریچے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہم دونوں ہی کے قدم جم سے گئے۔ نظروں کے سامنے عماد دادا، بشام چاچا اور بابا کی شکلیں گزر رہی تھیں۔ آرام کرسی پر بیٹھے دادا کی سفید براق داڑھی ہلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ہاں وہ آرام کرسی کہاں ہے؟

ہم عموماً اسے راہ داری میں ہی رکھتے تھے اور پھر جہاں دادا چاہتے تھے اسے پہنچا دیا جاتا..... نئے مالکوں نے زیادہ تبدیلیاں نہیں کی تھیں۔

''آیئے جناب..... ڈرائنگ روم ادھر ہے۔'' حبشی

کی آواز سے ہم دونوں اپنے خیالوں سے پھر واپس آ گئے۔ ڈرائنگ روم کے دروازے پر ہم نے غور سے ہر شے کو دیکھا۔حبشی اب جا چکا تھا۔

فرنیچر کچھ تبدیل کیا گیا تھا لیکن ترتیب تقریباً ویسی ہی تھی۔آتش دان کے سامنے چھوٹا ایرانی قالین بچھا تھا۔ پرانا تو وہ پہلے ہی بہت تھا لیکن اب تو اس کے دھاگے نکل رہے تھے۔

خدیجہ عین اسی ایرانی قالین کے پاس آ کر زمین پر بیٹھ گئی ''ارے کیا کر رہی ہو نیچے نہیں اوپر بیٹھو۔'' میں یہ بات کہنا ہی چاہ رہا تھا کہ میرے کہنے سے پہلے پیچھے سے آواز آئی۔

مڑ کر دیکھا تو ادھیڑ عمر انگریز جو ظاہر ہے یہودی ہوگا۔ لیکن خدوخال کچھ فرق تھے۔ چہرے پر وہ درشتگی نہیں تھی۔ اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں نے بڑھ کر تھام لیا۔اس نے اپنا نام بتایا۔

''تھامس ایڈورڈ.....آئرلینڈ سے آیا ہوں۔''

یحییٰ حسینی.....اس گھر کا قدیم مالک۔''

''ہوں .....اس نے دلچسپی سے سنا اور سامنے پڑے دیوان پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

خدیجہ ابھی بھی وہیں پر بیٹھی تھی۔ بوسیدہ قالین کے نکلتے ہوئے دھاگوں پر دھیرے دھیرے ہاتھ پھیر رہی تھی۔

''یحییٰ! ہشام کو آخری دفعہ میں نے یہاں لٹایا تھا۔اسی قالین پر.....اب وہ مجھے کہاں ملے گا؟''

''یہ کس کی بات کر رہی ہے؟'' تھامس نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ہمارا بچہ جسے تم لوگوں نے چھین لیا.....خدا گچھیا بس یہ بتا دو کہ وہ کہاں ہے.....زندہ ہے یا مار دیا؟'' مجھ سے پہلے وہ بول اٹھی۔

خدیجہ کی دلگیر آواز نے ماحول کو بے حد سوگوار کر دیا تھا۔

حبشی گرم قہوہ کی سینی مٹھائی اور زیتون رکھ گیا تھا۔ یہ یہودی مہمان نواز ہے۔ شاید اس نے میرے بیٹے کو اچھی طرح رکھا ہو۔ میں نے سوچا۔

تھامس ابھی تک سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''دیکھئے جناب میری بیوی اپنے دو بچوں کے ساتھ باہر تھی۔ جب اسرائیلی فوج نے اس گھر کا محاصرہ کیا یہاں ہمارا چھوٹا بچہ اور میرا چچا موجود تھا۔ہمیں پھر یہاں آنے نہیں دیا گیا۔ چچا کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا جب کہ مجھے تو اس سے بہت پہلے جیل میں پھینکا ہوا تھا۔اب ہم آپ سے ہرگز اس گھر اور یہاں کی کسی چیز کے بارے میں سوال کرنے نہیں آئے، اپنے بیٹے کے بارے میں معلوم کرنے آئے ہیں۔خدا گچھیا ہماری امیدوں کو خاک میں نہ ملایئے گا۔''

''اچھا تو تم مائیکل کے ماں باپ ہو۔'' یہ آواز ایک عورت کی تھی جو ڈرائنگ روم کے دروازے میں کھڑی تھی اور اندر کے معاملے کا جائزہ لے رہی تھی۔

''لیکن اب مائیکل ہمارا بیٹا ہے اور ایک یہودی ہے۔''

''نہیں ہرگز نہیں.....وہ ہرگز یہودی نہیں ہوسکتا۔''

خدیجہ یک دم قالین سے اٹھ کھڑی ہوئی۔سرخ انگارہ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں گر رہی تھیں۔

''ہونہہ! کوئی ماں باپ چھ ماہ کے بچے کو چھوڑ کر جاسکتے ہیں۔''

''لیکن اس کا چچا اس کے ساتھ تھا۔''

''سب ڈھکوسلہ ہے..... دراصل سارا قصور تمہارا ہے۔'' گوری انگریز عورت نے اطمینان سے صوفے پر بیٹھ کر کہا۔

''مائیکل گھر پر ہے؟'' تھامس نے بیوی سے پوچھا۔

اس کے جواب سے پہلے ایک اونچا لمبا لیکن دبلا لڑکا دروازے پر کھڑا تھا۔سرخ آدھی آستین کی ٹی شرٹ اور سیاہ برمودا پہنے، ہاتھوں میں اسنیکرز تھے جن کی ڈوریاں زمین کو چھو رہی تھیں۔

''مام مجھے زیتون کے اچار والے سینڈوچ پسند ہیں۔آپ ہمیشہ اس کے بغیر بنا دیتی ہیں۔''

مائیکل ادھر آؤ.....ان سے ملو۔''

''اوکے..... مجھے جانے کی ذرا جلدی ہے'' اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔

''نہیں ٹھہرو یہ ذرا اہم بات ہے۔.....''

خدیجہ اور میری سانسیں الجھ رہی تھیں۔..... ہشام کے نقش اپنے بھائیوں سے مختلف تھے لیکن کھڑی مراکشی ناک ہو بہو چچا ہشام کی طرح تھی۔

''مائیکل یہ تمہارا دعویٰ لے کر آئے ہیں۔''

''ہاں انہیں تمہارے ماں باپ ہونے کا دعویٰ ہے۔ ہم نے مائیکل سے کچھ نہیں چھپایا۔'' تھامس کی بھی آواز آئی جس نے ایک لمحے کو میری طرف بھی دیکھا جتا دینے کے انداز میں۔

مائیکل ساکت ہوگیا۔ چند لمحے بعد سنجیدگی سے بولا''مجھے پتہ ہے کہ مام ڈیڈ میرے اصل ماں باپ نہیں ہیں۔لیکن مجھے اپنے اصل ماں باپ کی بھی ذرا پروا نہیں ہے..... کیونکہ انہوں نے بھی میری ذرا پروا نہیں کی..... چھ ماہ کے بچے کو کوئی ماں چھوڑ کر جاتی ہے؟''اس نے خدیجہ کی آنکھوں میں جھانکا.....سرخ،غم کی آگ سے دہکتی آنکھیں .....مائیکل نے سر گھما لیا۔

''ہم خود چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے۔یہ اسرائیلی فوج تھی جس نے ہم کو واپس نہیں آنے دیا۔''

''میں کیسے مان لوں؟'' وہ ہی رٹا رٹایا جواب تھا۔

''ٹھیک ہے تم ہمارے ساتھ نہیں جانا چاہتے تو اپنے مام ڈیڈ کے ساتھ رہو۔بس ایک بات کا تم سے وعدہ لینا ہے۔ اسرائیلی فوج میں شمولیت اختیار نہ کرنا۔ ورنہ وہاں تمہیں اپنے دونوں بھائیوں کے مقابل آنا پڑے گا۔'' خدیجہ کی سرخ آنکھوں میں ایک سرد مہری سی در آئی تھی۔ یہ ہشام نہیں مائیکل ہے۔اس نے یقین کرلیا تھا۔

''میں نہیں چاہتی کہ وہ تمہیں آگ کا ایندھن بنائیں۔ چلو یحییٰ ہماری تلاش ختم ہوئی۔'' خدیجہ نے میرا ہاتھ پکڑا۔

میری بھی برداشت ختم تھی۔''ہمیں واپس جانا چاہیے۔''

ہم دونوں تیزی سے صدر دروازے سے باہر نکل گئے۔

فاصلے قدموں سے لپٹ رہے تھے۔ میں نے عبداللہ باسم کو کال ملائی گلی کے اختتام پر ہم کو تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا..... خاموشی کا دبیز پردہ مزید دبیز ہوتا جا رہا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے آنسو چھپانا چاہتے تھے۔ ٹیکسی میں ہم دونوں کھڑکی سے باہر نظر جمائے تھے۔ اچانک موبائل کی گھنٹی نے خاموشی کا دبیز پردہ چاک کر ڈالا۔ یہ عبداللہ باسم کا موبائل تھا۔ چند لمحے عبداللہ نے موبائل کانوں سے لگا کر مجھے دے دیا۔ ''آپ کا فون ہے۔''

''کون؟'' میں حیران تھا۔

''میں ہوں آپ کا بیٹا..... بابا..... مام ڈیڈ کے سامنے ڈرامہ کرنا لازم تھا..... بھلا وہ اور اسرائیلی حکومت مجھے صحیح سالم آپ کے ساتھ جانے دیتی۔'' میں ششدر رہ گیا۔ پھر میرے منہ سے بے یقینی کے عالم میں نکلا ''تمہارے پاس عبداللہ کا نمبر کیسے آیا؟''

''اس کو میں جانتا ہوں۔ اس کو یہ ٹیکسی مام ڈید نے ہی کرایہ پر لے کر دی ہے۔ بس آپ جائیے اور اپنا اور مما کا خیال رکھیے۔ ان شاء اللہ میں بھی جلد آپ سے ملنے آؤں گا.....اور پھر ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گا۔''

اب میں سوچ رہا تھا کہ یہ اتنی بڑی خوشی کی خبر خدیجہ کو کس انداز میں سناؤں کہ اس کے اعصاب سلامت رہیں!

☆☆☆

حضرت لیّا (زوجہ حضرت ایوبؑ)

حضرت ایوبؑ اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ نبیوں میں سے تھے جنھوں نے دنیاوی تکالیف کا صبر و رضا کے ساتھ مقابلہ کیا اور بحسن وخوبی تمام امتحانوں سے عہدہ برآ ہوئے۔ جس کے صلے میں انھوں نے جو کھویا تھا اس سے دوگنا اور چوگنا کر کے اللہ تعالیٰ نے انھیں دیا۔ آج بھی دنیا کے دکھوں پر صبر کرنے والوں کو دیکھ کر لوگ 'صبر ایوب' کی مثال دینا نہیں بھولتے۔

حضرت لیّا انہی نبی کی وفا شعار، صابر، نیک اور راست گو بیوی تھیں۔ وہ دنیا کی ساری عورتوں کے لیے اپنے اخلاص، شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری اور مصیبتوں میں صبر کے معاملے میں قابل اقتدا نمونہ ہیں۔ وہ اللہ کی شکر گزار بندی تھیں جنھوں نے سخت آزمائش کے وقت بھی اپنے شوہر کا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ صبر کیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی اطاعت کی حلاوت سے نوازا۔

نام ونسب:

ابن عساکر نے ان کا نام لیّا بتایا ہے۔ یہ یشا بن یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ کی بیٹی ہیں۔ ابن کثیر نے ان کا نام رحمتہ بنت افراثیم بتایا ہے۔

قرآن پاک میں حضرت ایوبؑ کا ذکر مختصراً مگر جامع الفاظ میں آیا ہے جس سے ان کے مکمل حالاتِ زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ ہم مورخین عرب اور مورخین اسلام کے جمع شدہ قرائن کو سامنے رکھ کر ان کے حالاتِ زندگی جاننے کی کوشش کریں گے۔

حالاتِ زندگی:

حضرت ایوبؑ اللہ تعالیٰ کے ان نبیوں میں سے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی نعمتوں سے بھرپور نوازا تھا۔ بہتے چشموں اور سرسبز باغات کی اس جنت ارضی میں لیا اپنے شوہر ایوبؑ اور بچوں کے ساتھ ملک شام میں رہتی تھیں۔ ابن عساکر فرماتے ہیں وہ دمشق کے مضافات میں واقع بثنیہ میں رہا کرتے تھے جو حوران کے قریب ہے۔

ان کی مسجد، نہانے کا چشمہ، کھیت کھلیان آج بھی اس جگہ معروف اور جانے پہچانے ہیں (مختصر تاریخ دمشق)۔ مسعودی کہتے ہیں وہاں ایک مسجد اور پانی کا چشمہ ہے جو نویٰ شہر سے تین میل کی دوری پر واقع ہے اور ایوبؑ اور ان کی بیوی آزمائش کے وقت جس پتھر کی پناہ لیا کرتے تھے وہ ابھی تک اسی مسجد میں موجود ہے۔ (مروج الذہب)

ایوبؑ نہایت امیر و کبیر شخص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بے تحاشا مال و دولت اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے بھرپور نوازا تھا جن میں سرفہرست وسیع و عریض سرسبز زرخیز زمینیں تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ پورا بثنیہ اپنی وادیوں اور پہاڑوں سمیت ان کی ملکیت تھا۔ ان کے پاس ایسے عمدہ اور خوش منظر گھوڑے

تھے جن پر نگاہ نہ ٹکے۔ لاتعداد اونٹ، گائیں، بکریاں ہر قسم کے مویشی ان کی ملکیت تھے۔ کہا جاتا ہے ایوبؑ کے پاس ایک ہزار بکریاں مع اپنے چرواہوں کے موجود تھیں اور ان کے خدام لونڈیوں اور غلاموں کا تو کیا کہنا جو زمین اور جانوروں کی خدمت پر مامور تھے۔

ایوبؑ نہایت متقی، نیک اور رحم دل انسان تھے۔ غربا و مساکین کی مدد کرنا، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا، مہمانوں کی خاطر کرنا، مسافروں کی اعانت کرنا ان کے معمولات میں شامل تھا۔

ایوبؑ کی بیوی لیا اس پر آسائش زندگی میں خوش اور مگن تھیں مگر ساتھ ہی وہ اللہ کے حقوق سے ہرگز غافل نہ تھیں۔ ہر دم اس کی بے شمار نعمتوں کا شکر ادا کرتی رہتی تھیں۔ وہ عبادت گزار اور شکر گزار بندی تھیں جو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اپنے بیٹے بیٹیوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتیں اور اپنے پروردگار کی مشکور وممنون رہتیں جس نے ان پر اور ان کے شوہر پر بے تحاشا رزق، مال و دولت اور اولاد جیسی نعمتوں کی بارش کر دی تھی اور ان کو اپنے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی۔

مولانا امین احسن اصلاحی ''تدبر قرآن'' میں لکھتے ہیں:

''سفر ایوب'' میں ہے کہ (حضرت ایوبؑ) ان کی اس حالت پر شیطان اور اس کے ایجنٹوں کو بڑا حسد ہوا۔ انھوں نے ان کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ اگر ایوبؑ دن رات خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں تو یہ کیا کمال ہوا۔ خدا نے جب اتنا مال و اسباب دے رکھا ہے تو عبادت نہ کریں تو اور کیا کریں۔ ہم تو جب جانیں جب خدا یہ ساری چیزیں ان سے چھین لے پھر بھی وہ اس کے عبادت گزار رہیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے انھیں محروم کر دیا۔ نہ ان کے پاس مال کی قسم کی کوئی چیز رہ گئی نہ اولاد، خدم وحشم باقی رہے۔ ایک ایک کر کے سب ہلاک ہوتے چلے گئے لیکن وہ اس عظیم مصیبت سے مایوس نہیں ہوئے بلکہ اپنے رب کے حضور سجدے میں گر پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے کہا تو نے میرے بندے کو دیکھ لیا سب کچھ چھن جانے کے باوجود میرا ہی ہے اس پر شیطان نے کہا یہ مال و اولاد کا معاملہ تھا اس لیے وہ صبر کر گیا۔ میں تو جب جانوں جب تو اسے شدید قسم کے جسمانی آزار میں مبتلا کر دے اور پھر بھی وہ تیرا عبادت گزار رہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک ایسے مرض میں مبتلا کر دیا کہ ان کے سارے جسم پر پھوڑے نکل آئے مگر اس تکلیف کے بعد ان کی انابت اللہ کی طرف اور بڑھ گئی اور اس آزمائش میں بھی انھوں نے شیطان کو شکست دے دی۔''

ایک اور جگہ پر ہے کہ شدید جسمانی تکلیف اور مال و متاع کے ختم ہو جانے کے بعد وہ اللہ کے ذکر میں اور بڑھ گئے اور کہنے لگے اے پالنے والوں کے پالنے والے تو نے مجھ پر بڑے بڑے احسان کیے ہیں مال دیا اولادیں دیں اس وقت میرا دل بڑا مشغول تھا اب تو نے سب کچھ لے کر میرے دل کو ان فکروں سے آزاد کر دیا۔ اب میرے دل میں اور تجھ میں کوئی حائل نہ رہا۔

یہ بیماری کوئی ایک دو دن کی نہ تھی بلکہ برسوں پر محیط تھی مگر اس حالت میں بھی حضرت ایوبؑ کے پایۂ استقلال وصبر میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آئی اور وہ دن رات اپنے رب کا ذکر

کرتے اور لحہ بہ لحہ اسے یاد کرتے۔

ایوبؑ کا مرض طول پکڑتا گیا۔ بیماری نے شدت اختیار کر لی سب عزیز و اقارب نے ان سے منہ موڑ لیا۔ ان تمام حالات میں صرف اور صرف ان کی بیوی لیاؑ تھیں جو ہر دم ان کے ساتھ تھیں۔ جن کے دل میں اس حال میں بھی اپنے شوہر کے لیے محبت و ہمدردی تھی۔ وہ دن رات ان کی خدمت کیا کرتیں۔ ہر وقت ان کا خیال رکھتیں کیونکہ وہ گزرا وقت نہیں بھولی تھیں جب ہر طرح کی آسائش تھی، صحت و عافیت تھی تو ایوبؑ کس طرح ان کا خیال رکھتے تھے۔

اب صحت کا معاملہ یہ تھا کہ قضائے حاجت کے لیے وہ ان کے ساتھ جاتیں کیونکہ ان کے لیے چلنا پھرنا دشوار ہو چکا تھا۔ گھر بار مال و دولت ختم ہو چکا تھا کھانے پینے کو بھی کچھ نہ تھا۔ وہ لوگوں کے گھروں میں کام کر کے اپنا اور اپنے شوہر کے کھانے پینے کا بندوبست کرتی رہیں۔ ان نامساعد حالات میں بھی ان کے ماتھے پر بل تک نہ پڑا اور اپنے صابر شوہر کے ساتھ مشکلات جھیلتی اور صبر شکر کے مراحل طے کرتی رہیں اور بالآخر وفا کے بلند ترین مقام پر فائز ہوئیں اور نیکوکار لوگوں کے ساتھ اپنی جگہ بنائی۔ انھوں نے اپنے شوہر کے ساتھ ایک لمبے عرصے تک آزمائش کا دور گزارا اور اپنے آپ کو اللہ کے حکم پر راضی رہنے والی عورت ثابت کر کے صبر کی بہترین مثال قائم کی۔

لیا جانتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو ان کے درجات بلند کرنے، حکم خدا اور ناگوار امور پر صبر و شکر کا قابل عمل نمونہ بنانے کے لیے آزماتا ہے۔

لیاؑ حضرت ایوبؑ کو اس حال میں دیکھ کر بہت دکھی ہوتیں۔ ایک دن حضرت ایوبؑ کو یہ تکلیف جھیلتے زمانہ گزر گیا اور ان کے صبر و شکر میں کوئی کمی نہ آئی تو لیا نے عرض کیا! اے اللہ کے نبی آپ تو مستجاب الدعوات لوگوں میں سے ہیں اللہ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو صحت یاب کر دے۔

تو ایوبؑ فرمانے لگے کہ ستر سال تک اللہ نے مجھے صحت و عافیت میں رکھا تو اگر ستر سال تک میں اسی حالت میں رہوں اور صبر کروں تو یہ بھی بہت کم ہے۔ ان کی رضا و تسلیم سے بھرپور بات سن کر لیا کانپ اٹھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کے شوہر جیسا صبر اور اللہ کی مشیت کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ وہ جان چکی تھیں کہ صبر میں وہ ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتیں۔ مگر وہ ان کا ساتھ دیتی رہیں اور ان سے محبت اور تعلق نبھاتی رہیں کیونکہ وہ اللہ کے نبی ایوبؑ پر دل سے ایمان رکھتی تھیں۔

صحابیِ رسولؐ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایوبؑ تیرہ سال تک مصائب کے امتحان میں مبتلا رہے حتیٰ کہ تمام عزیز و اقارب قریب و بعید کے متعارف سبھی نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی البتہ اعزہ میں سے دو عزیز ضرور صبح و شام ان کے پاس آتے رہے۔ ایک مرتبہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ایوبؑ نے ضرور کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے تب ہی تو وہ اس کی پاداش میں ایسی سخت مصیبت کے اندر مبتلا ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو کیا خدا ان پر مہربان نہ ہو جاتا اور ان کو شفا نہ ہو جاتی۔ یہ بات دوسرے نے حضرت ایوبؑ سے کہہ سنائی۔ ایوبؑ یہ بات سن کر بہت بے چین اور

مضطرب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں سربسجود ہو کر دعا گو ہوئے اور ان کی دعا کو فوراً بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت حاصل ہوا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ رفع حاجت کے لیے اپنی جگہ سے اٹھے اور ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کر لے گئیں۔ جب فارغ ہوئے اور وہاں سے علیحدہ ہوئے تو خدا کی وحی نازل ہوئی کہ ''زمین پر پاؤں سے ٹھوکر مارو۔'' اور جب انھوں نے ٹھوکر ماری تو پانی کا چشمہ ابل پڑا اور انھوں نے غسل صحت کیا اور اپہلے سے زیادہ صحیح اور تندرست نظر آنے لگے۔ یہاں بیوی انتظار کر رہی تھیں کہ ایوبؑ تازگی اور شگفتگی کے ساتھ سامنے نظر آئے وہ قطعاً نہ پہچان سکیں اور ایوبؑ کے متعلق انہی سے دریافت کرنے لگیں۔ تب آپؑ نے فرمایا میں ہی ایوب ہوں اور خدا کے فضل و کرم کا واقعہ سنایا۔ روزمرہ کے کھانے کے لیے ایوبؑ کے پاس ایک گٹھڑی گیہوں کی اور ایک جو کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دولت میں اضافہ کرنے کے لیے گیہوں کو سونے اور جو کو چاندی میں بدل دیا۔

سورہ ''ص'' میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور ہمارے بندے ایوبؑ کا ذکر کرو، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے۔ (ہم نے حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مار، یہ ہے ٹھنڈا پانی نہانے کے لیے اور پینے کے لیے۔ ہم نے اسے اس کے اہل و عیال واپس دیے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور، اپنی طرف سے رحمت کے طور پر۔ (اور ہم نے اس سے کہا) تنکوں کا ایک مٹھا لے اور اس سے مار دے، اپنی قسم نہ توڑ۔ ہم نے اسے صابر پایا۔ بہترین بندہ اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا۔'' (۴۱-۴۴)

لیاؑ ہر وقت حضرت ایوبؑ کی تیمارداری میں مشغول رہا کرتی تھیں ایک مرتبہ انھوں نے ایوبؑ کی انتہائی تکلیف سے بے چین ہو کر کچھ ایسے کلمات کہہ دیے جو صبر ایوبی کو ٹھیس پہنچانے والے تھے اور اللہ کی جناب میں شکوہ لیے ہوئے تھے۔ ایوبؑ اس کو برداشت نہ کر سکے اور قسم کھا کر فرمایا کہ میں تجھ کو سو کوڑے لگاؤں گا۔ جب حضرت ایوبؑ کی مدت امتحان ختم ہو گئی اور صحت یاب ہوئے تو قسم پوری کرنے کا سوال سامنے آیا۔ ایک جانب لیاؑ کی انتہائی وفاداری، غمگساری اور حسن خدمت کا معاملہ تھا اور دوسری جانب قسم کو سچا اور پورا کرنے کا سوال۔ ایوبؑ سخت تردد میں تھے کہ کیا کریں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس نیک بی بی لیا کی نیکی اور شوہر کی فرمانبرداری کا یہ صلہ دیا کہ ایوبؑ کو حکم ہوا کہ وہ سو تنکوں کا ایک مٹھا بنائیں اور اس سے اپنی رفیقۂ حیات کو ماریں تا کہ ان کی قسم بھی پوری ہو جائے اور لیاؑ کو تکلیف بھی نہ ہو۔ اس حکم سے اللہ کی نظر میں لیاؑ کی قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

یہ رحمت اور انعام اس لیے دیا گیا کہ جب ان کے شوہر آلام و مصائب میں گرفتار تھے ان کے اعزہ و اقربا ان سے کنارہ کش ہو چکے تھے اس وقت زوجۂ مطہرہ نے جس حسن وفا، اطاعت، ہمدردی اور غم خواری کا ثبوت دیا یہ آسان ترین سزا اسی خدمت کا نتیجہ تھی۔

حضرت ایوبؑ نے جب چشمے کا پانی پیا اور اس سے نہائے تو ان کی تمام بیماری جاتی رہی۔ آج کے دور میں بھی ایسے بہت سے معدنی چشمے اس کائنات کے خالق نے انسانی

فائدے کے لیے ظاہر کر رکھے ہیں جن میں غسل کرنے اور ان کا پانی پینے سے امراض کم ہو جاتے ہیں خصوصاً گندھک کے چشمے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا پانی جلدی امراض کے لیے مفید ہوتا ہے لیکن حضرت ایوبؑ کا چشمے کے پانی سے صحت یاب ہونا اللہ کے خاص حکم سے معجزے کے طور پر ہوا۔

صحیح بخاری میں ہے۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا: ''حضرت ایوبؑ غسل فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سونے کی چند ٹڈیاں ان پر برسائیں۔ ایوبؑ نے انھیں دیکھا تو مٹھی بھر کر کپڑے میں رکھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایوبؑ کو پکارا۔ ایوب کیا ہم نے تم کو یہ سب کچھ دھن دولت کر غنی نہیں بنایا پھر یہ کیا؟ ایوبؑ نے عرض کی پروردگار یہ سب صحیح اور درست مگر تیری نعمتوں اور برکتوں سے کون بے پروا ہو سکتا ہے۔''

اللہ عزوجل نے کڑے امتحان میں سرخروئی حاصل کر لینے کے بعد ایوبؑ اور لیّا پر اپنے انعامات کی بارش کر دی۔ ان کے اہل وعیال، مال و دولت دوگنے، چوگنے کر کے انھیں لوٹا دیے اور جو مال متاع اور بال بچے دنیا میں چھن گئے تھے ان کے بدلے میں انھیں بے پناہ اجر وثواب سے نوازا۔

یہ تھی حضرت لیاؑ کی سیرت معطرہ۔ وہ خاتون جو عبادت گزار، شکر گزار اور وفا شعار تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نوازشات سے بھرپور نوازا۔

(اس مضمون کی تیاری کے لیے قصص القرآن از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی۔ ازواج الانبیاء احمد خلیل جمعۃ سے مدد لی گئی)

❁❁❁

حرم کی دنیا

کعبۃ اللہ کے گرد سب فرق مٹ جاتے ہیں.....بس اللہ کا گھر اور اللہ کے بندے باقی رہ جاتے ہیں!

حرم شریف کی دنیا اتنی دلفریب ہوگی اس کا مجھے قطعاً اندازہ نہ تھا۔عمرہ پر جانے سے پہلے مختلف لوگوں سے ان کے ذاتی تجربات اور مشاہدات کے حوالے سے بات چیت رہی۔اکثریت نے یا تو اپنی قلبی وارداتوں، ذاتی محسوسات، کعبۃ اللہ کی عظمت کے حوالے سے باتیں کیں یا ذاتی ضروریات اور احتیاطوں کے بارے میں مشورے دیئے۔ کسی نے بھی حرم شریف کی دلفریب دنیا کی جھلک مجھے نہ دکھائی اگر میں آپ سے کہوں کہ اس دنیا نے مجھے مبہوت کر دیا تو غلط نہ ہوگا۔

اس دنیا کی پہلی جھلک مجھے اسوقت دیکھنے کو ملی جب ہم رات بھر کے سفر، امیگریشن کی لمبی قطاروں میں کھڑے کھڑے تھک کر چور ہو جانے اور رات کے آخری پہر ہوٹل کی تلاش اور سامان وغیرہ رکھنے کے بعد فجر کی نماز کے لئے بھاگم بھاگ حرم پہنچے۔ مطاف تک جانے کا وقت نہ تھا۔ امامت کہی جا چکی تھی لہٰذا باب عبدالعزیز کے سامنے ہی سفید ماربل کے فرش پر جاءنماز بچھا کر کھڑے ہو گئے۔نماز سے فارغ ہوئے تو عمرہ کرنے کا مرحلہ درپیش تھا۔ جہاز میں رات ساڑھے سات بجے کھایا ہوا کھانا کب کا ہضم ہو چکا تھا۔ابھی فجر کی نماز کے بعد میرے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہی تھے کہ ایک مہربان سی خاتون جو عبایا میں ملبوس تھیں، میرے اٹھے ہوئے ہاتھوں میں مٹھی بھر کھجور ڈال کر آگے بڑھ گئیں۔ میں نے حیرانی سے ساتھ بیٹھی چھوٹی بہن عارفہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے کہا کہ یہاں حرم میں لوگ ایسے ہی مختلف چیزیں تقسیم کرتے ہیں۔ بہرحال ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ دونوں بہنوں نے انہی کھجوروں کو کھا کر آب زم زم پی کر عمرہ کیا اور قطعاً کوئی بھوک اس دوران محسوس نہیں ہوئی۔

حرم کی دنیا میں دوسری چیز جو مجھے بڑی متاثر کن لگی وہ ہر نماز کے وقت ہر قوم، ہر نسل، ہر عمر کے مرد و زن کا یکسوئی کے ساتھ بغیر ادھر ادھر مشغول ہوئے سیدھا حرم کا رخ کرنا تھا۔ خواہ جرس (پُل) ہو یا سڑھیاں یا خود کار برقی السیکیلٹر زخواہ باب فتح کی طرف سے آئیں یا باب عبدالعزیز کی طرف سے۔ اللہ کے پروانے مستعدی شوق اور یکسوئی کے ساتھ اپنے مرکز کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔اس آمد کو دیکھ کر اللہ رب العزت کی اپنے بندے اور خلیل حضرت ابراہیمؑ کے حنیف اور یکسو ہونے کی گواہی ذہن میں گونج کر رہ جاتی ہے۔''**ان ابراھیم کان حنیفا**''اور ساتھ ہی سورۃ حج میں اللہ کا یہ حکم کہ''قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر''حرم کی دنیا میں آ کر امت مسلمہ کے جسدِ واحد ہونے کا تاثر دل و دماغ میں پوری شدت سے جاگزیں

ہوتا ہے۔

عرب ہو یا ترک، ایرانی ہو یا ہندوستانی، مصری، افریقی ہو یا پاکستانی سب کعبۃ اللہ کے گرد'' **ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار**'' پڑھتے ہوئے ایک اکائی معلوم ہوتے ہیں۔ سارے فرق مٹ جاتے ہیں بس اللہ کا گھر اور اللہ کے بندے باقی رہ جاتے ہیں عربی زبان کی مسنون دعاؤں کے علاوہ جو کہیں گروپس کی شکل میں پڑھی جارہی ہوتی ہیں اور کہیں انفرادی طور پر، ایک اور ذریعہ ابلاغ جو تمام انسانوں کے درمیان مشترک ہوتا ہے وہ آہوں، سسکیوں، آنسوؤں اور گھٹی گھٹی التجاؤں کی صورت میں ہوتا ہے۔ جوں جوں طواف کا گھیراؤ چھوٹا ہوتا جاتا ہے اور کعبۃ اللہ کی دیواریں قریب ہوتی جاتی ہیں، آہوں اور سسکیوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

حرم کی دنیا میں مختلف افراد کی مختلف اوقات میں'' حاضری'' لگ رہی ہوتی ہے۔ جس کی ''حاضری'' لگ رہی ہوتی ہے وہ دنیا مافیھا سے بے خبر ہوتا ہے۔ ایسے میں اس کے قریب موجود لوگ محبت سے اسے ٹشو پیپر پیش کرتے ہیں۔ آب زم زم لاکر پلاتے ہیں یا سر اور پشت پر شفقت سے ہاتھ پھیر کر تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حاضری لگ جائے تو اندر باہر سے انسان ہلکا پھلکا ہوجاتا ہے۔

حرم کی دنیا میں زائرین کے نفوس میں صالحیت، للّٰھیت، محبت، ہمدردی اور اخلاص کی صفات نمایاں ہوکر اوپر آجاتی ہیں۔ دنگا فساد، خودغرضی اور غرور نفس جیسی بیماریاں دب جاتی ہیں۔ حرم کی دنیا میں ہر ایک کے سر میں ایک ہی سودا سمایا ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ثواب کا حصول۔ اس غرض کے لئے مختلف لوگ مختلف انداز سے سرگرم ہوتے ہیں۔ اگر کوئی 2 بجے دوپہر کے سخت گرمی اور دھوپ میں نیازمندی سے سرشار طواف کررہا ہوتا ہے تو دوسرا اسی گرمی میں کھڑا طواف کرنے والوں کو دوران طواف پانی پلا رہا ہوتا ہے۔

اگر کوئی نوافل پر نوافل ادا کررہا ہے تو دوسرا عقیدت سے لوگوں میں تسبیحات تقسیم کررہا ہوتا ہے۔ اگر باب فہد کیمصلاّ نسائی (عورتوں کے نماز پڑھنے کی مخصوص جگہ) میں خواتین ظہر اور عصر کے درمیانی وقفہ میں تلاوت قرآن پاک میں مصروف ہوتی ہیں تو کچھ دوسری خواتین تھرموس میں سے قہوہ ڈال ڈال کر باقی خواتین میں تقسیم کررہی ہوتی ہیں۔ اگر آب زم زم پینے کے لئے آپ انتظار میں کھڑے ہیں تو اکثر ایسا ہوگا کہ آپ سے آگے کھڑا فرد پہلے خود پانی پینے سے پیشتر آپ کو گلاس بھر کر دے دے گا۔ اپنے آپ پر دوسرے کو ترجیح دینے کے بہت سے مواقع آپ کو حرم کی دنیا میں حیران کرنے کے لئے پیش آتے رہیں گے۔ اگر کسی عورت کا بچہ رو رہا ہے تو قریب بیٹھی ہوئی خواتین ضرور اپنے پرس میں سے کوئی ٹافی یا بسکٹ ٹٹول کر اس کو تھمائیں گی۔ اگر کوئی بچہ کسی کو زیادہ پیارا لگے تو فیاضی اسے دس، بیس ریال کا نوٹ بھی سے محبت سے پکڑا دیا جائے گا۔ کئی دفعہ کوئی بوڑھی خاتون آپ کو نظر آئیں گی جنکو کوئی جوان خاتون تندہی سے

دبا رہی ہوں گی۔ نہ وہ ان کی رشتہ دار ہوں گی نہ ہم زبان مگر ہر نیکی کا بدلہ ایک لاکھ گنا ملنے کی امید میں عبادات کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کے ایسے مناظر آپ کو نظر آئیں گے جو آپکی روح تک کو سرشار کر دیں گے۔

حرم کی دنیا میں ایک اور چیز جس نے میری توجہ کو کھینچا اور اللہ کی کائنات چلانے میں فرشتوں کی نقل وحرکت اور مستعدی کو سمجھنے میں مدد کی وہ تھا حرم شریف کے اندر صفائی ستھرائی اور آب زم زم لانے اور کولروں کے اندر بھرنے کا انتظام جو چوبیس شمیمہ بغیر کسی تعطل کے جاری رہتا ہے۔ چاق وچوبند کارکنان جو مسلسل اپنی ڈیوٹی پوری کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ خواتین کارکنان جو حرم شریف میں آنے والی ہر خاتون کا بیگ چیک کرتی ہیں اور نماز کے اوقات میں سڑھیوں اور گزرگاہوں سے خواتین کو اٹھاتی ہیں اور ان کی الگ صفیں بنواتی ہیں۔ کتابوں کے ریکس میں ہر نماز کے بعد قرآن پاک کے نسخوں کو ترتیب سے رکھتی رہتی ہیں۔ حرم کے اندر تعینات ''کارکنان'' کے منہ سے آپ کو ''حاجی، ہلا حاجی، طریق ،طریق'' کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے گا۔

قارئین کرام یہ چند پہلو جو میں نے آپ کے گوش گزار کئے وہ ظاہر اور نظر آنے والے پہلو تھے۔ حرم کی دنیا میں ظاہر کے ساتھ ساتھ ایک باطنی دنیا بھی آباد نظر آئے گی۔ اس کے لئے شرط صرف یہ ہے کہ بتوفیق الٰہی آپ کے پاس وہ آنکھیں ہوں جو دیکھتی ہیں وہ کان ہوں جو سنتے ہیں اور وہ دل ہوں جو سوچتے ہیں۔ (حرمین الشرفین کی زیارت کو جانے والے جانے سے پہلے اس کے لئے خصوصی دعا کر کے جائیں) اگر آپ کے کان اور آنکھیں کھلی ہیں تو حرم کی دنیا اور اس کے گردوپیش میں آپ کو پیش آنے والی کوئی تکلیف، غیر پسندیدہ امر یا مشکل آپ کو بہت کچھ سجھاتی اور سمجھاتی نظر آئے گی۔ آخر کو اللہ کی دعوت پر اس کی میزبانی سے لطف اندوز ہونے اس کے دربار میں آپ پہنچے ہیں تو آپ کا مہربان رب آپ کو نہ صرف اپنی گوناگوں نشانیاں دکھاتا ہے بلکہ حرم کی دنیا میں پیش آنے والا ہر واقعہ آپ کو آپکی عملی زندگی کے حوالے سے کچھ رہنمائی دیتا، اپنی اصلاح کے لئے سوچ کے کچھ دروازے وا کرتا اور تنبیہ کرتا محسوس ہوگا۔

حرم کی دنیا میں آپ کا رب آپ کو اپنا آپ محسوس کراتا ہے۔ اللہ رب العالمین کے سمیع الدعا، الطیف الخبیر، رؤف با العباد اور علی کل شئ قدیر ہونے کا ادراک اتنی شدت سے ہوتا ہے کہ عام زندگی میں شاید یہ ادراک واحساس اتنا بھرپور اور ہمہ وقت نہیں ہوتا۔ اس دنیا کی سب سے قیمتی متاع ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی رگ جاں سے زیادہ قریب محسوس ہوتا ہے۔

حرم کی دنیا میں جس طرح ہر زائر پر انعامات واحساسات کی بارش ہو رہی ہوتی ہے وہ دراصل ہر ایک کو اس آنے والی ہمیشہ کی زندگی کی ایک جھلک دکھاتی ہے جہاں رحمان ورحیم رب کی عنایات کا سلسلہ دراز ہوگا اور جہاں سلاماً سلاماً اور الحمدللہ رب العالمین کی پکار کے سوا کچھ سنائی نہ دے گا۔ ان شاءاللہ۔

☆☆☆

''ملالہ کی عیادت کے لیے ساتھ چلیں۔ وزیراعظم راجہ پرویز اشرف کی سب سیاستدانوں کو دعوت۔''

چلتے چلتے

ان دنوں تقریباً پوری قوم ملالہ کے لیے رنج و ملال میں مبتلا ہے۔ مبتلا ہی کیوں نہ ہو بھلا ایسی نابغۂ روزگار بچی پہلے اس قوم میں پیدا ہوئی ہوگی؟ نہ جی ناں .....کبھی بھی ناں .....ایسی بخت ونصیب والی بچی اس نصیبوں جلی قوم کی قسمت میں کہاں تھی وہ تو دعا دیجیے اپنے مہربانوں کو کہ جن کی مہربانی کا ایک اور ثبوت یہ 'ذہین وفطین' لڑکی کے روپ میں سامنے آیا ہے۔ جو گیارہ بارہ برس کی عمر سے ہی بڑے بڑوں کے کان کترنے لگ گئی تھی اور اب تین چار برس کے بعد تو ''علم کی سفیر'' ..... ''دخترِعظیم'' ..... ''روشنی کی کرن'' ..... ''امید کا اجالا'' ..... ''سفیرِ وطن'' اور نہ جانے کن کن خطابات والقابات کی مستحق قرار پائی ہے۔ سنا ہے کہ اوباما صاحب اس کے آئیڈیل ہیں یوں دیکھا جائے تو کافی 'سمجھدار'' بھی ہے کہ کافی اونچی پسند رکھی ہے ..... ہاں تو اس 'نابغۂ روزگار' بچی پر سکول سے واپسی پر نامعلوم افراد نے وین رکوا کر..... ملالہ کا پوچھ کر.....اسے گولیوں کا نشانہ بنایا اور بھاگ گئے۔ بس وہ دن اور آج تادمِ تحریر ہر طرف ہاہاکار مچی ہے..... ملالہ برطانیہ میں برمنگھم شہر کے ایک ہسپتال میں لے جائی گئی ہے۔ ابھی تک بے ہوش ہے..... بہترین علاج جاری ہے۔ اللہ اسے صحت عطا فرمائے ..... جس نے بھی حملہ کیا اس کا ہمیں بھی افسوس ہے مگر بڑی عجلت میں فوراً ہی طالبان کے سر پر الزام لگا دیا گیا کہ یہ کارنامہ انھوں نے انجام دیا ہے۔ نیز یہ کہ انھوں نے اعتراف بھی کر لیا ہے ..... یہ سطور پڑھنے تک اونٹ نہ جانے کس کروٹ بیٹھ چکا ہوگا .....ہم تو یہ جانتے ہیں کہ بغیر کسی تصدیق کے کسی خبر پر اعتبار کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے ..... جبکہ ہمارا میڈیا ..... کیا الیکٹرانک اور کیا پرنٹ میڈیا ..... کا تا اور لے اڑی کے مصداق خبر سنتے ہی ایسا ماحول بناتے ہیں کہ بس بچہ بچہ، گلی گلی ..... پتہ پتہ اسی خبر کے رنگ میں رنگ جاتا ہے ..... ملالہ کی خبر پر تو اس قدر ملال کیا گیا ہے کہ ہر کہہ ومہ نے اس کے خلاف مذمتی بیان دینا اپنا فرض اولین جانا .....سکولوں میں یومِ دعا ..... اخبارات میں اشتہارات ..... امریکہ اور دیگر ممالک کے مذمتی بیانات .....گلوکارہ میڈونا کا اسے خراجِ تحسین ہر کالم نگار کا مذمتی کالم جس میں خوب دل کی بھڑاس بخلاف طالبان نکالی گئی ہے۔

غرض کہ ایک عالمگیر صدمہ ہے جس کا اظہار یوں کیا جا رہا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی دل میں خیال آتا ہے کہ یہ ملالہ نہیں ایک گڑبڑ گھٹالہ ہے .....سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے؟ نیز سنگین ترین واقعہ ہے؟ بچیوں پر حملہ تو کجا ہم تو کسی بھی مسلمان پر ناحق

حملے کو روا نہیں سمجھتے ..... کسی جانور کو بھی تکلیف پہنچانے کے حق میں نہیں ..... اسی لیے امریکہ کی شروع کی ہوئی مسلمانوں کے خلاف اس جنگ کو ہم کسی صورت جائز نہیں سمجھتے۔ جس نے بھی ملالہ پہ حملہ کیا صحیح نہیں کیا ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ صرف ایک ملالہ کے لیے اس قدر ردعمل ..... غصہ ..... اس کے لیے مراعات یا پروٹوکول کیوں .....؟ ذرا انصاف کی کہیے عافیہ صدیقی کے لیے یوم دعا منایا گیا؟ ..... اس قدر مذمت کی گئی؟ ملالہ کے علاج کی طرح اس کی رہائی کی حکومتی سطح پر کوشش کی گئی؟ پھر جامعہ حفصہ کا دل دوز واقعہ یاد کیجیے کتنی ہی بچیاں ..... کتنے ہی خاندان متاثر ہوئے ..... خود حکومت نے ایسا ظلم وستم توڑا کہ بیان سے باہر ہے۔ باہر کی دنیا نے کتنا ردعمل ظاہر کیا .....؟ اندر میڈیا نے کتنی آواز اٹھائی .....؟ بلکہ الٹا حکومتی 'کارنامے' کا ہی ڈھنڈورا پیٹتے رہے ..... پھر سیالکوٹ کے دو حافظ بچے مغیث اور منیب ان پہ کس قدر تشدد کر کے انھیں جان سے ہی مار دیا گیا .....اس پہ حکومت .....قوم اور میڈیا نے کیا خدمات انجام دیں؟ یہ سب کے سامنے ہے۔ پھر آخر ملالہ کے مسئلے پر اتنا رنج و ملال کیوں؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے ..... بات سیدھی سی ہے کہ ایک تیر سے دو شکار کیے گئے ہیں ..... آخر اس تیر کی حکومت جو ہے ان دنوں .....ایک تو قوم جو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں اپنا شدید جذبہ و محبت ریکارڈ کروا رہی تھی اس طرف سے توجہ ہٹانی مقصود تھی اور دوسرا اہم مقصد شمالی وزیرستان پر حملہ کرنے کے لیے فضا سازگار بناتے ہوئے قوم کو طالبان سے نئے سرے سے ..... نئے جذبے سے متنفر کرنا تھا کون جانے حملہ کرنے والے کون تھے .....؟ پہلے بھی کئی بار طالبان پہ الزام لگتا رہا ہے .....انھیں پکڑتے رہے ہیں اور ..... پھر ..... پھر پتہ چلتا ہے کہ وہ تو طالبان چھوڑ عام مسلمان بھی نہیں تھے ..... جس کو چاہیں طالبان مشہور کر دیں۔ را اور دیگر دشمن تنظیمیں بھی تو بخوبی یہ کام کرتی رہی ہیں پھر اس واقعے میں بھی کیا وہ لوگ ملوث نہیں ہو سکتے .....؟ کیا یہ حملہ سوچی سمجھی سازش کے تحت کروایا نہیں جا سکتا؟

افسوس تو ہے اس قوت پر، اس خواہش پر، اس حالت پر یاروں کو لڑایا جس نے بہم، ہر صلح کو جنگ انجام کیا

اب دیکھ لیجیے کہ اس ایک نشانے سے دو شکار کس خوبی سے کر لیے گئے ہیں۔ ہر طرف ملالہ ہی ملالہ ہے خبروں میں اور شمالی وزیرستان پہ حملے کی تیاریاں بھی سننے میں آ رہی ہیں جیسا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا بیان واضح کر رہا ہے کہ ''ملالہ کے معاملے کو ہوا دے کر کسی آپریشن کی اجازت نہیں دیں گے۔'' اس پس منظر میں ہمارے قارئین یقیناً ہمارے ہم خیال ہوں گے اور ہمارے ہم آواز بھی کہ .....

بی بی ملالہ کا وسیلہ چاہیے
ہضم وزیرستان کا حیلہ چاہیے

ہم نہایت اخلاص سے مشورہ دیتے ہیں ..... بلکہ ہمارا مشورہ کیا ہم ملالہ تو ہیں نہیں کہ کم عمری میں ہی بی بی سی بلکہ پوری دنیا تک آواز پہنچا سکیں .....ہم تو دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ رحمان ورحیم ہمارے ذمہ داروں کو ہدایت دے کہ

اپنوں کے خلاف آپریشن نہیں ہوتا اپنوں کو گلے لگا کر ان کے دکھ درد کا ازالہ کیا جاتا ہے۔ کاش ایسا کرنے کی کوئی صورت نکل آئے تو بہتر ہے۔ ہمارا دل اس قدر مضبوط ہو جائے اور اس میں یہ خیال راسخ ہو جائے کہ ہمیں پرائی جنگ میں اتحادی .....اپنوں کے خلاف غیروں کا اتحادی ..... بننے کی بجائے اپنوں کا اتحادی اور حمایتی بننا ہے۔ کاش ایسا بننے کا وقت آ جائے۔

☆☆☆

''پاکستان اور بھارت مل کر نہ چلے تو اقتصادی طور پر تباہ ہو جائیں گے: پارک بھارت مینجمنٹ سمٹ''

بھارت عرصہ ہزاروں سال سے ہمارے سے خار کھائے بیٹھا ہے .....اکبر بادشاہ کا دور بادشاہی ختم ہوتے ہی یہ ہندو ہمارا ازلی دشمن بن بیٹھا اور قیامِ پاکستان کے بعد تو اس کی دشمنی حد سے گزرتی جا رہی ہے۔ بنگلہ دیش اس کی اسی دشمنی کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔ مسئلہ کشمیر..... مسئلہ پانی .....مسئلہ سیاچن .....مسئلہ ہندی مسلمان .....کوئی ایک مسئلہ ہو تو اس کے ساتھ تو بتائیں بھی۔ یہاں تو مسائل ہی مسائل ہیں اور ہندوستان کا رویہ ہر مسئلے پر بس میں نہ مانوں کی رٹ ہے .....ابھی تجارت کا ڈول جو ڈالا ہے بھارت کے ساتھ تو اس میں بھی کافی خسارہ جا رہا ہے پچھلے دنوں ٹماٹروں کی پیٹی میں سے الیکٹرانک سمیں برآمد ہوئی ہیں۔ آگے آگے دیکھئے یہ دوستی کیا گل کھلاتی ہے۔ ہم تو یہی کہتے ہیں اور برملا کہتے ہیں .....ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ ؎

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

☆☆☆

''افغان خواتین شوہروں پر حکمرانی کے لیے ناک کی سرجری کرانے لگیں۔ افغانستان میں لڑکی کی اونچی ناک اور کسی حد تک موٹی ناک نسوانی حسن کے ساتھ وقار اور سنجیدگی کی علامت ہے۔''

ہمارا خیال ہے کہ ان خواتین کو ہو نہ ہو بے نظیر بھٹو سے یہ نکتہ ملا ہو گا کیونکہ ان کی ناک اونچی تھی اور شوہر پر حکمرانی بھی خوب کی انھوں نے .....اتنی زیادہ اور اتنی شدید کہ تنگ آ کر شوہر صاحب کے دل مسکین میں خود حکمرانی کرنے کا جذبہ جاگ اٹھا۔ بیوی پہ نہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے تو ان کی مجال ہی کب تھی بے چارے عوام پہ حکمرانی کا جذبہ جاگ اٹھا..... چنانچہ چار سال بیت گئے عوام اسی جذبے کے سیک سے سلگے جا رہے ہیں .....مگر ٹھہریے ذرا! خبر میں تو ناک اونچی ہونے کے ساتھ ساتھ قدرے موٹی بھی بتائی گئی ہے۔ پھر یہ خبر بھی تازہ ہے ایسے میں رب نہ بھلائے تو افغان خواتین نے ضرور فریال تالپور صاحبہ سے حق حکمرانی کی یہ نشانی اخذ کی ہو گی کہ شوہر تو کہاں پورے پاکستان پر حکمرانی کر رہی ہیں .....ہم سمجھتے ہیں کہ یہ افغان خواتین کی بڑی بھول ہے کہ اس طرح انھیں شوہر پر حق حکمرانی مل جائے گا یہ حق تو ملتا ہے زور ور..... یا زردار کو..... یا پھر نصیبے والے کو.....جبکہ آج آپ کے پاس نہ زور ہے نہ زر ہے۔ نصیب بھی فی الحال کچھ مٹا مٹا سا لگ رہا ہے کہ حالات ہی کچھ ایسے ہیں۔

☆☆☆

''جرمن عدالت کا مسلم طالبہ کو تیراکی کی کلاسیں چھوڑنے کی اجازت دینے سے انکار''

تفصیلات میں بتایا گیا ہے کہ جرمنی کے شہر فرینکفرٹ میں ایک مراکشی نژاد ۱۲ سالہ طالبہ کا کہنا ہے کہ اسے لڑکوں کے ساتھ تیراکی کرتے ہوئے پریشان کن صورتحال کا سامنا ہے۔ طالبہ نے تیراکی کی کلاسیں لینے سے انکار کر دیا جس پر اس کے مارکس کم کر دیے گئے ہیں۔ ایک انتظامی عدالت نے طالبہ کی درخواست مسترد کرتے ہوئے فیصلے میں لکھا ہے کہ ''جسم کو مکمل طور پر ڈھانپنے والا تیراکی سوٹ طالبہ کی مذہبی آزادی کی ضمانت کے لیے کافی ہے۔''

سبحان اللہ! ہماری مذہبی تعلیمات کے بارے میں فیصلے وہ صادر فرمائیں اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی کی ضمانت کے لیے اپنے احکامات مسلط کریں۔ آخر اس بچی کو ناقابل برداشت صورتحال کا سامنا ہوا ہے تو اس نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے۔ تیراکی کا لباس تو اس کے پاس پہلے بھی موجود تھا۔ کیا اعلیٰ انصاف ملا ہے اس بچی کو .....مسلمان تھی نا اس لیے! ہمارے مذہبی احساسات و جذبات ان کے لیے کیا اہمیت رکھتے ہیں یہ اوباما صاحب کے اس ارشادِ عالیہ سے بخوبی واضح ہو رہا ہے جو حالیہ فلم کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اسے بند کرنے کا حکم نہیں دے سکتا کہ یہ اظہار رائے کی آزادی کے خلاف ہے۔ ان کی اسلام دشمنی اور تضاد بیانی کا ثبوت درج ذیل خبر سے مزید واضح ہے۔

''برطانوی شہزادی کی نازیبا تصاویر کی اشاعت پر فرانسیسی جریدے کے خلاف کارروائی.....قتل کی دھمکی'' اور دوسری طرف گستاخانہ فلم وخاکوں پہ کارروائی سے انکار.....

ہمیں جرمِ ضعیفی کی کن کن سزاؤں کو بھگتنا ہے ابھی؟ ہم کیوں نہیں اللہ قادر مطلق کے ارشاد پہ کان دھرتے ہوئے ان کی دوستی سے دامن بچا لیتے .....ہمیں رب العالمین کی سچے دل سے اطاعت کرنے میں آخر کیا امر مانع ہے؟ آخر ہمیں ان ہی سے وفا کی امید کیوں ہے جو ہمارے ساتھ وفا کرنا جانتے ہی نہیں بلکہ ان کا ہم پر غیض وغضب ان کی ہر ادا سے پھوٹا پڑتا ہے۔ یہ آج کی بات نہیں بلکہ مکہ سے لے کر آج تک اور آگے قیامت تک یہود ونصاریٰ مسلمانوں کے ہمدرد وحبیب ہو ہی نہیں سکتے۔

☆☆☆

''مشرف کو لال مسجد کے سانحہ پر اللہ سے معافی نہیں ملے گی: چودھری شجاعت''

واہ جی واہ! شجاعت ہو تو ایسی۔ کس دھڑلے سے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا اعلان فرما رہے ہیں ہر بات، ہر کام پر 'مٹی پاؤ' ارشاد فرمانے والے گجراتیے چودھری شجاعت صاحب۔ شجاعت اسی کا تو نام ہے ان کے ہاں کہ بیانات کی حد تک شجاعت دکھاتے جاؤ، اقتدار کے لیے مشرف کی چھتری تلے پناہ لے لو نہ صرف پناہ بلکہ ان کے ہر فعل میں برابر کی شراکت داری.....پھر اثر ورسوخ کا یہ عالم کہ مشرف صاحب سے اپنے لیے چالیس روزہ وزارتِ عظمیٰ بھی لے لی۔ اب کیسے معصوم بن کر فرما رہے ہیں کہ مشرف کو لال مسجد کے سانحے پر معافی نہیں

ملے گی..... حیرت ہے انھوں نے اتنے برسوں بعد اس واقعے کو پھر یاد کیا ہے۔ اس پر مٹی نہیں ڈالی۔ شاید اس لیے کہ انتخابات کا موسم قریب آ لگا ہے۔ بے مراد..... بے وقار..... بے حال ..... بے قرار عوام کے ووٹوں کی پھر ضرورت آن پڑی ہے۔ لہٰذا ایسے بیانات دینا مجبوری بھی ہے اور نہایت ضروری بھی .....تب لال مسجد کے سانحے پر آپ خود مشرفی مونچھ کا بال بنے ہوئے تھے۔ چلیے بالفرض مان بھی لیں کہ آپ دل سے اس سانحے کے خلاف تھے اور آپ نے مشرف صاحب کو روکا بھی بہت مگر آپ کی ایک نہ چلی تو کیا اس صورت حال میں آپ مستعفی نہیں ہو سکتے تھے مگر کہاں جی! آپ تو برابر اس پیر و مرشد کے مرید بنے رہے اور مرید بھی ایسے خلوص و محبت والے کہ آپ کے ہی خانوادے کے..... آپ کے نہایت قریبی عزیز پرویز الٰہی بزعم خود اللہ کے سپاہی جبکہ ہمارے خیال میں عذابِ الٰہی مشرف صاحب کو بار بار (غالباً دس مرتبہ) صدر بنانے کا بیان دے رہے تھے۔

جامعہ حفصہ کے گھناؤنے ظلم و جبر سے برأت کا اظہار کرنا مشرف اور مشرفی ٹولے کے لیے اتنا آسان نہیں جتنا انھوں نے اپنے تئیں سمجھ رکھا ہے۔ ذرا تصور میں تو لائیں وہ کیا منظر تھا؟ حاصل تمنائی کے الفاظ میں اسی کی کسک محسوس کریں:

حد نگاہ تک ہے اب دھواں دھواں لہولہو
نظر اٹھا کے دیکھئے جہاں جہاں لہو لہو
چمن چمن، کلی کلی، خزاں خزاں لہو لہو
ہے طفل طفل خون وخوں، جواں جواں لہولہو
وہ بے قصور طالبینِ علم کے ہیں چیتھڑے
وہ نشر کر رہے ہیں اپنی داستاں لہو لہو
نظر میں عہد پھر رہا ہے پھر ہلاکو خان کا
کہ مسجدیں ہیں سرخ سرخ اور اذاں لہولہو

بھلا ہلاکو خاں کے ساتھی ہلاکو کے 'کارناموں' سے بری الذمہ ہو سکتے ہیں؟ اور لطف تو یہ ہے کہ مشرف کے بعد بھی مشرف ہی کے نقش قدم پر چلنے والوں کے ہم رکاب رہے ہیں آپ ..... سوچتے ہوں گے کہ جس طرح مشرف کے ساتھ قدم قدم پر ساتھ دینے کے بعد آج اس سے برأت کا اظہار کر رہے ہیں کل وقت آنے پر زرداری صاحب کا ساتھ دینے پر بھی 'مٹی پاؤ' کہہ کر نہائے دھوئے ستھرے ستھرائے عوام میں جا کھڑے ہوں گے ..... ایک جامعہ حفصہ ہی نہیں مشرف صاحب اور زرداری صاحب کے ہر ہر فعل کے ذمہ دار آپ بھی ٹھہرائے جائیں گے۔ اتحادی بنے ہیں تو اپنے ہمراہیوں کے کارناموں، کرتوتوں کا بوجھ بھی تو اٹھائیے نا۔ صرف چنگا چوکھا دیکھتے ہی اپنا چھابہ وہیں اٹھا لے جانا ہی تو کام نہیں ہوتا۔

یہ جماعت دیکھئے! یہ ڈھول تاشا دیکھئے
دوڑنا یاروں کا ایسا بے تحاشا دیکھئے
آپ نے جولانیاں طاقت کی تو دیکھیں بہت
ضعف کے ہیجان کا بھی اب تماشا دیکھئے

❁❁❁

کسی نے مجھ سے پوچھا آپ ملازمت پیشہ ہیں یا گھریلو خاتون؟ میں نے کہا میں ملازمت پیشہ اور

تماشا مرے آگے

گھریلو خاتون دونوں ہوں۔ کیونکہ میں 24 شمیمہ کام کرتی ہوں میں باورچی ،آیا، استاد، نرس، محافظ، ڈرائیور، وکیل سب کچھ ہوں۔ میں بلا تنخواہ صبح سے شام تک کام کرتی ہوں۔ مجھے کوئی چھٹی نہیں ہوتی۔

یا خدا! آپ ہیں کون؟ اور آپ کے مقاصد کیا ہیں؟ میں ایک ماں ہوں میرا اولین مقصد گھر کے ماحول کو پرسکون رکھنا ہے۔ چاہے خود کو بے سکون کر کے ہی کیوں نہ ہو۔ بھلا وہ کیسے پوچھنے والے نے پوچھا۔ آیئے آپکو اپنے گھر لے چلوں کچھ مناظر دکھاؤں شاید آپکو سمجھ آجائے۔

منظر 1 (10 سال پہلے)

میں نے کل سکول نہیں جانا معز نے گھر میں داخل ہوتے ہی اعلان کیا۔ الٰہی خیر اب آج کیا ہوگیا؟ میں نے پوچھا کیونکہ اس قسم کے اعلان وہ اکثر ہی کرتا رہتا تھا۔ آج کسی بچے سے لڑائی ہوگی یا کسی ٹیچر نے سزا دے دی۔ بلکہ سب سے پہلے یہ اعلان دوسری جماعت میں ہی کر دیا گیا تھا جب میں نے سمجھانے کی خاطر کہا کہ بیٹا صرف ''ٹو'' کلاس تک پڑھ کر کیا کرو گے تو فرمانے لگے ''ون'' کلاس کو پڑھا لوں گا۔ خیر اب تو ساتویں جماعت میں تھے۔ اب کیا مسئلہ درپیش تھا۔ اسکی تحقیق ضروری تھی۔

آخر ہوا کیا میں نے اعلان کی وجہ جاننا چاہی۔

یہ سب اسکی کارستانی ہے.....توپوں کا رخ چھوٹے بھائی تیمور کی طرف ہوگیا۔

تیمور نے کیا کیا؟ میں نے پوچھا۔

کل جب پڑھاتے ہوئے آپ نے میری پٹائی کی اور میں رو رہا تھا تو میرے دوست کا فون آیا اس بے وقوف نے کہہ دیا بھائی بات نہیں کر سکتے انہیں مما سے مار پڑی ہے وہ رو رہے ہیں۔ میرے دوست نے ساری کلاس کو یہ بات بتادی۔ سب نے میرا مذاق اڑایا۔ اس صورتحال کو یاد کر کے وہ آبدیدہ ہوگیا۔ کیا عزت رہ گئی میری کلاس میں! وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

حد ہوگئی میں سمجھی نجانے کیا مسئلہ ہوگیا یہ تو کوئی بڑی بات نہیں سب بچوں کو مما سے مار پڑتی ہے۔ تیمور کا کوئی قصور نہیں ہم نے اسے جھوٹ بولنے سے منع کیا ہے نا..... اس لئے اس نے سچ بات کہہ دی۔ اس میں اسکی غلطی تو نہیں۔

آپ ہمیشہ اسکی طرف داری کرتی ہیں۔ اس نے دکھی لہجے میں کہا۔

منظر 2 (آج کل)

بیٹے کھانا لگا دیا ہے آ کر کھا لو میں نے آواز دی۔ تیمور کیوں نہیں آیا کھانے کی میز پر؟۔ میں نے پوچھا

وہ کھانا نہیں کھائے گا۔ پپّا سے ڈانٹ پڑی ہے۔ وہ ناراض ہے۔معز بولا

اُف میں جھنجھلا اٹھی۔ تیمور کی ناراضگی کوئی معمولی بات نہیں اسے منانا اور سمجھانا خاصا مشکل کام ہے۔ دراصل اس میں یہ خداداد صلاحیت موجود ہے کہ وہ غلطی پر ہونے کے باوجود اچھی طرح بحث کرے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ آپکو یقین ہو جائے گا کہ آپ غلط ہیں اور بے چارے بچے کے ساتھ نہایت زیادتی ہوئی ہے۔ اب یہی بحث سن لیجیے۔

تیمور بیٹے کیا ہوا؟ ہونا کیا تھا بس کمرے کی لائٹ اور پنکھا بند کرنا بھول گیا تھا۔تو بیٹا آپکی غلطی تھی پپا کو غصہ آنا ہی تھا۔اس لئے ڈانٹ پڑی۔

آپ ہمیشہ پپا کی طرف داری کرتی ہیں۔

تو کیا آپ کی غلطی نہیں تھی؟ میں نے پوچھا

میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ماں باپ اور استاد، انہیں خوش کرنا کوئی آسان کام نہیں۔یعنی حد ہے میں دن میں دس بار کمرے میں جاتا ہوں۔نو نہیں آٹھ بار میں لائٹ پنکھا بند کرتا ہوں۔اس پر تو آج تک کسی نے شاباش دی نہیں۔ ایک آدھ بار بند کرنا بھول گیا تو اتنی ڈانٹ پلادی۔ یہ تو زیادتی ہے۔

چاہے ایک بار ہی بند کرنا بھولے لیکن بجلی تو ضائع ہوئی نا اور پھر پپا کو بل بھی زیادہ دینا پڑے گا۔

بل دینا ان کا فرض ہے۔ بے نیازی سے کہا گیا۔

اللہ کے بندے ہمارے سارے فرائض تمہیں ازبر ہیں خدا کے لئے ہمارے کچھ حقوق بھی یاد کرلو۔

کیا مطلب؟ وہ بولا۔

دیکھو جیسے بچوں کی ہر جائز ضرورت کا خیال رکھنا اور اسے پورا کرنا والدین کا فرض ہے۔ایسے ہی انکی تربیت کرنا بھی انکا فرض ہے۔اسکے لئے وہ کبھی ڈانٹ اور مار بھی سکتے ہیں۔یہ ہمارا حق ہے ناراض ہو کر ہم سے ہمارا حق نہ چھینو چلو اٹھو کھانا کھائیں۔

آپ کے خیال میں کہانی ختم، جی نہیں یہ تو بچے ہیں اصل محاذ پر تو اب جارہی ہوں۔جی ہاں مجازی خدا کے دربار میں! دیکھئے وہاں کیا صورتحال ہے۔

ہاں بھئی کیا تکلیف ہے صاحبزادے کو...... کیوں منہ بنایا ہوا تھا؟

ارے کچھ نہیں بس وہ پنکھا نہ بند کرنے پر آپ نے کچھ زیادہ ہی ڈانٹ دیا تھا۔

یعنی میں نے ڈانٹ کر غلطی کی۔انہوں نے غصے سے کہا

نہیں نہیں میں تو بس یہ کہہ رہی تھی کہ جوان اولاد ہے ذرا آرام سے سمجھا دیا کریں۔آپ غصے میں زور سے بولتے ہیں تو انہیں برا لگتا ہے۔

غضب خدا کا میں ان کا باپ ہوں غلط بات پر جیسے دل چاہے گا ڈانٹوں گا۔ میں کیا ان سے ڈرتا ہوں۔حد ہوگئی ہم جوان تھے تو اپنے والدین سے ڈرتے تھے۔اب ہم والدین ہیں تو اپنے بچوں سے ڈرتے ہیں۔یعنی ہر طرح سے ہم ہی پسے جارہے ہیں۔

اوہو آپ تو رائی کا پہاڑ بنا لیتے ہیں۔ میں تو بس اتنا کہنا چاہ رہی تھی کہ جوان اولاد ہے باغی نہ ہو جائے، ذرا آرام سے سمجھا دیا کریں۔

ہاں ہاں میں تو ہوں ہی غلط تم ہمیشہ بچوں کی طرف داری ہی کرنا۔

شوہر خفا تو بچے بھی برہم ہیں دوستو!

اب ہو چلا یقیں کہ برے ہم ہیں دوستو!

یہ صرف ایک دون دن کی بات نہیں بلکہ ''ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے'' بچپن سے لیکر ان کی جوانی تک معز کو سمجھائیں تو تیمور کی اور تیمور کو سمجھائیں تو معز کی طرفداری کا الزام۔ بچوں کو سمجھائیں تو ابا کی اور ابا کو سمجھائیں تو بچوں کی طرف داری کا الزام۔ اب آپ خود فیصلہ کریں جو میں نے کہا وہ درست تھا یا غلط۔

آپ نے بالکل درست کہا لیکن اس میں نئی بات نہیں یہ ہر ماں کی کہانی ہے۔ چلئے اس قصے سے کوئی سبق ملے نہ ملے بہت سی ماؤں کو حوصلہ تو ملے گا!

☆☆☆

انسانی رشتوں میں اہم ترین رشتہ ماں کا

مشعل پروین

میری پیاری بہن

ہوتا ہے۔ پیار کی انتہا..... جس پر انسانی بقا کا دارومدار ہوتا ہے۔ یہ ماں کا پیار ہی ہوتا ہے جو بچے کچھیا ہر ایثار کو اپنے اوپر فرض کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں سے پیار کے اظہار کے لئے اس رشتے کو معیار بنایا ہے۔ لہٰذا ماں کی جدائی بھی ایک قیامت ہوتی ہے۔ اس قیامت کی قیامت خیزی ماں کی ہر یاد سے جڑی ہوتی ہے۔

میرا اور میری امی کا ساتھ تھوڑا رہا لیکن رب کریم نے جب امی کو اپنے پاس بلایا تو ماں کی طرح دو بڑی بہنوں کی محبت اور شفقت کا سایہ رکھا۔ ہم بہن بھائیوں میں مشعل آپی سب سے بڑی تھیں۔ امی کے بعد انہوں نے گویا ساری ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ یوں تو سب بہن بھائیوں کے لئے ماں کا درجہ رکھتی تھیں لیکن میرے لئے ان کی محبت انتہائی خاص تھی۔

اپنے لئے ان کی محبت کو انتہائی خاص صنف بھی خوب تھا۔ وقتِ رخصت میں حیران تھی۔ خواتین کا ایک اژدھام تھا جس میں ہر عمر کی خواتین شامل تھیں۔ جو ان کی اچانک رخصتی پر برے حال میں تھیں۔ اپنے لئے انکی محبت کے انتہائی خاص ہونے کا تذکرہ کر رہی تھیں۔ انتہائی خاص محبت اور انتہائی خاص تعلقات۔ میں حیران تھی۔ ادھر اس بات کا شکوہ تھا کہ تین سال پہلے تو ہم نے رب کریم سے دعائیں منوا لیں، موت کو دعاؤں سے شکست دی۔ لیکن اب کے تو اللہ تعالیٰ نے بڑی رازداری برتی۔ نہ کوئی پتہ نہ آثار..... پاس لیٹے اسامہ بھائی کو خبر نہیں ہوئی۔ موت کے فرشتے نے مکھن سے بال کی طرح روح کو نکالا اور رب کے حضور حاضری کچھیا روانہ ہوگیا۔ چل نفس مطمئنہ اپنے رب کے حضور..... نفسِ مطمئنہ کو رب کے حضور حاضری کا اشتیاق بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ تین سال پہلے جب ہارٹ اٹیک ہوا تو درس کے لئے نکلی ہوئی تھیں۔ درد کیشد ید کیفیت میں گھر پہنچیں تو نماز کے لئے کھڑی ہوگئیں۔

اس دفعہ تو رات کو معمول کے مطابق سارے کام کیے دن میں دو دفعہ درس قرآن کے لئے باہر نکلیں درس دیا۔ لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ گھر آئیں نماز اور مطالعہ کے بعد سونے لیٹیں تو رب کریم کو اپنی بندی پر پیار آیا۔ سو ملاقات کے لئے اپنے پاس بلوالیا۔ فجر میں یہ اطلاع ملی تو دل تھم سا گیا۔ ماں کی جدائی دوسری دفعہ سہنا آسان نہیں..... یو لگتا تھا کہ دل غم سے پھٹ جائے گا..... یہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ ابھی پرسوں تو ہماری اتنی لمبی بات ہوئی تھی۔ اس ہفتے ملنا تھا۔ بھلا اب کیسے اور کہاں ملنا ہوگا؟ ان کو تو بلا کا اشتیاق تھا رب سے ملاقات کا، سو شوق و ذوق سے چلی گئیں۔ لیکن ہمارا کیا ہوگا۔ وہ محبت اور شفقت کا سایہ وہ پیار کا انداز، وہ صلاح

مشورے، وہ روک ٹوک، وہ اعتراضات جن کی بنیاد ہمیشہ خیرخواہی ہوتی، ہمارا تو ہر معاملہ ہر کام ان کے مشورے پر اٹکا ہوتا تھا۔لیکن معلوم ہوا کہ یہ صرف ہمارا ہی غم نہیں تھا انتقال کے دن اور بعد میں آنے والی ہر دوسری خاتون ڈبڈبائے لہجے میں یہ بات دوہراتی تھی۔ بزرگ، ادھیڑ عمر اور نوجوان ہر عمر کی..... ہر طرح کی.....حجاب والی، بغیر حجاب والی..... اسکارف والی..... بغیر اسکارف والی.....سر پر دوپٹہ لئے ہیں یا نہیں، سب ہی کی آنکھوں سے موتی برس رہے تھے۔

دراصل مشعل آپی کے دعوتی دائرے کے کئی حلقے تھے۔ایک خاندان کا ایک ہمسائے پڑوس کا، ایک درس کے ساتھیوں کا ایک کارکنان کا، ایک اسکول کی بچیوں کا، ایک اسکول کی ٹیچرز اور ہیڈ مسٹریس کا، ایک پارک میں واک کرنے والی خواتین کا، ایک گلی میں جھاڑو دینے والے اور کچرا اٹھانے والے بچوں کا، جو اس مان کے ساتھ آتے کہ ان کی یہاں ضرورتیں ہی نہیں، فرمائشیں بھی پوری ہوتی ہیں۔

اماں جی! پیلے چاول (زردہ) کھانا ہے۔

آج تو سردی ہے شربت نہیں چائے چاہیے۔

کتنا وافر خزانہ تھا محبت کا..... ہر ایک گچھیا برستا تھا، اور بھرپور شرابور کر دیتا تھا۔ ملنے جلنے والی محلے پڑوس سے خواتین فراغت سے ملنے آتیں.....طویل ملاقاتیں کرتیں رخصتی تک وہ بغیر ناگواری کے ان کے سارے مسائل سنتیں اور مشورے دیتیں۔ کہتی تھیں کہ آج لوگ بہت مصروف ہوگئے ہیں۔قریبی رشتے بھی بات کرنے کو ترستے ہی رہ جاتے ہیں۔ایسے میں لوگوں کے دکھڑے سن لینے سے لوگ قریب آتے ہیں۔مشورے دینے اور حل میں مدد دینے سے بھروسہ کرنے لگتے ہیں۔خصوصاً آج کے بزرگ بہت بے اعتنائی کا شکار ہیں۔ بہت کچھ ان کے سینے میں ہوتا ہے جس کو وہ بوجھ کی طرح اٹھائے ہوتے ہیں۔ اس بوجھ کو اتارنا بھی نیکی ہے۔ بے غرضی سے اس نیکی کو کرنا لازم ہے۔لیکن بات کو امانت کی طرح حفاظت سے رکھنا بھی لازم ہے۔کہتی تھیں لوگ باتیں کریں تو دل میں استغفار پڑھتی رہو۔لوگوں کے دل و دفاغ میں بہت کچھ ہوتا ہے جب وہ باہر آتا ہے تو ہی نئی چیز کے لئے جگہ بنتی ہے۔ سامنے والا جب آپ کو اپنا ہمدرد اور غمگسار تسلیم کرلے تو پھر اس کو حالات کے لحاظ سے اچھا مشورہ دینا چاہیے۔

پہلی ملاقات میں زیادہ سنو اور کم بولو.....دعوت بھی پہلی ملاقات میں مؤثر نہیں ہوتی۔ یہ اس وقت کارگر رہتی ہے جب سامنے والا آپ کو اپنا ہمدرد تسلیم کرلیتا ہے۔ پھر وہ آپ کی دعوت کو بھی من وعن تسلیم کرتا ہے۔محض رپورٹ کے کالم بھرنے کے لئے ملاقاتیں نہیں کرو بلکہ یہ سوچ رکھو کہ بے غرض محبت کی گرمی ہی نئے دیئے جلانے کا باعث بنتی ہے۔ ان کی بے غرض محبت کی گواہی آنسوؤں کے وہ ہار تھے جو ہر آنے والی خاتون ان کی یاد میں چڑھا رہی تھی۔ بلک بلک کر رونے والی بہت سی خواتین کو کوئی نہیں جانتا تھا۔لیکن ان کا کہنا تھا کہ مشعل باجی نے میرا ہاتھ پکڑا۔کوئی کہتا میری زندگی بنائی۔کوئی کہتا طلاق کے بعد مجھ میں زندہ رہنے کی آرزو ختم ہوگئی تھی انتہائی مایوسی کے عالم میں سے انہوں نے

نکالا۔کوئی کہتا میرے لئے رہائش کا انتظام کیا،کسی کا کہنا تھا میرے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرایا،میری بچیوں کی شادی کا انتظام کیا۔ وہ خدمت کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں اترتیں،جگہ بناتیں اور پھر نئی شخصیت کی تعمیر کرتیں۔

ترجیحات میں پہلے نمبر پر عورت کے لئے شوہر بچے اور خاندان کو قرار دیتی تھیں۔سسرال اور میکے دونوں کے ساتھ یکساں محبت کا تعلق رکھتی تھیں دونوں طرف کے خاندانوں میں دور دراز کہیں بھی شادیاں ہوتیں تو شادی شدہ جوڑے کی کہیں دعوت ہو نہ ہو، وہ ضرور کرتیں اور ساتھ ہی ساس سسر اور نندوں کو بھی بلالیتیں۔سسرال میں بھی دعوت کا کام کیا۔ ذہنی طور پر تو سب سمجھتے تھے لیکن دین کے لئے عملی جدوجہد کی طرف انہوں نے بلایا۔خرم مراد کی بھانجی نے سرہانے بیٹھ کر گواہی دی کہ مشعل مامی کی وجہ سے ہمارے خاندان میں خواتین نے عملی طور پر کام کا آغاز کیا۔

ایک اور اہم ترجیح علم کا حصول تھا۔ان کی اپنی شادی انٹر کے بعد ہوگئی تھی۔بچوں کی پیدائش کے ساتھ ساتھ بی اے کیا پھر بعد میں کارساز کے قرآن انسٹیٹیوٹ کے پہلے بیچ میں داخلہ لیا اور معلّمہ کا کورس کیا۔کہتی تھیں اس سے انہیں بہت فائدہ ہوا۔قرآن یاد کرنا ایک مستقل مشغلہ تھا۔قرآن کے بہت سے حصے یاد تھے۔سورہ کہف پوری یاد تھی نماز میں پڑھا کرتی تھیں۔ بہوؤں کو بھی شادی کے بعد مزید تعلیم دلوائی۔ ان کے اچھے نتائج نکلنے پر ان کی حوصلہ افزائی کرتیں۔تحائف دیتیں۔ یوں بھی تحائف دینا ان کو بہت پسند تھا۔مزاج میں میل ملاپ کا بہت خزانہ تھا۔ ہر ایک سے آگے بڑھ کر خود ملتیں۔ہسپتال جانا ہوتا تو جنرل وارڈ سے لے کر پرائیویٹ روم تک سب مریض خواتین سے دروازے کھٹکھٹا کر ملتیں،خیر خیریت معلوم کرتیں۔اگر کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو لا کر دیتیں ورنہ بیٹھ کر تھوڑی دیر بات چیت کرتیں گپ شپ لگاتیں۔ اس معاملے میں انتہائی پراعتماد تھیں۔ نئے لوگوں سے متعارف ہونے میں دیر نہ لگاتیں۔ہم لوگ تو سوچتے ہی رہ جاتے ہیں وہ تو دیکھتے ہی دیکھتے میل ملاقات کے بعد دوستی کے مراحل بھی طے کر جاتیں۔

دین کی خاطر قربانی کا جذبہ انتہائی قوی تھا۔تحریک گھیا گھر کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ایم کیو ایم نے ان کے بیٹوں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ دو بیٹوں کو گولیاں ماریں ایک کے گھٹنے پر اور ایک کے سینے میں لیکن جیسے اللہ رکھے اسے کون چکھے اللہ نے جان بچائی اور صحت دی اور سعادت کی زندگی عطا کی۔

بیٹے کے سینے میں گولی لگی تو ہسپتال لے جایا گیا خون بہہ رہا تھا لیکن ہسپتال والے ایمرجنسی ٹریٹ منٹ دینے میں لیت ولعل سے کام لے رہے تھے۔ بڑے بیٹے نے ہسپتال کے عملے کو غصے میں برا بھلا کہا تو کہنے لگیں۔''تمہارے بھائی کی زندگی ہوگی تو بچ جائے گا تم زبان اور اخلاق خراب نہ کرو۔''

نعمت اللہ خان کے دور میں کونسلر منتخب ہوئیں تو اسکولوں میں درس کے سلسلے شروع کروائے۔رضا کار ٹیچر کے طور پر کام کیا کہ اسکولوں میں اساتذہ کے اندر کام کا موقع

ملے گا اور واقعی خوب ملا۔ بعد میں بھی لوگوں سے تعلق رکھا۔ ہر جماعت اور ہر نظریہ کے لوگوں کی عزت کی جاتی اور ان کے کہنے پر کام کر دیا جاتا شاید وہ واحد خاتون کونسلر تھیں جو کونسلری کے بعد بھی اپنے نام پر سے پہنچانی جاتی تھیں۔

بچوں کی شادیوں میں دو چیزوں کو ترجیح دی ایک دین اور دوسری تعلیم ..... سب بچوں کی شادیوں میں وقت اور حالات کے مطابق خرچ کیا۔ کھانا بھی کھلایا..... جہیز بھی دیا لیکن اپنی چادر کے اندر رہ کر..... ماشا اللہ آٹھ میں سے سات بچوں کی شادیاں اپنے ہاتھوں سے کیں آٹھویں کی بھی نسبت طے کر کے گئیں لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اپنی مصروفیات کے باعث جماعت کے کاموں سے چھٹی لی یا انہیں ایک طرف رکھا۔ سارے کام ساتھ ساتھ چلتے اور بہت خوبی سے چلتے۔

البتہ کارکنوں کے پروگراموں میں رپورٹ اور کاغذی خانہ پوری پر زور دینے کی حامی نہ تھیں۔ کہتی تھیں بہت سارے لوگ محض اسی وجہ سے ہمارے ساتھ چلنے میں ہچکچاتے ہیں۔ لوگوں کی مجبوریاں ہوتی ہیں ان کا لحاظ کر کے رعایتیں دینی چاہئیں۔ پھر دوسری طرف ہمارے کارکن رپورٹ کی خانہ پری کے باعث اس خلوص اور لگن سے کام نہیں کر پاتے جس کی ضرورت ہے۔ دلوں کی زمین زرخیز نہیں ہو پاتی اخلاقیات پر برا اثر پڑتا ہے۔ تعلق پائیدار نہیں بن پاتے۔ لیکن ساتھ ہی ان کا کہنا تھا کہ اجتماعیت سے جو بھی اختلاف ہو اس پر بات کرنا چاہیے۔ علیحدگی اختیار کر کے بیٹھ جانا مسئلے کا حل نہیں بلکہ ہر صورت میں اجتماعیت سے چمٹے رہنا چاہیے۔ اس میں اجتماعیت کا فائدہ ہو نہ ہو آپ کا اسی میں فائدہ ہے۔ جو لوگ علیحدہ ہوئے وہ کوئی معرکہ سر نہ کر سکے بلکہ کھڑے پانی کے تالاب کی صورت اختیار کر گئے۔ تحریک تو دریا کی صورت ہوتی ہے جو اپنا راستہ بناتا ہے اور بہتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کے بہاؤ میں ہی پاکیزگی ہے۔

تین سال پہلے ہارٹ اٹیک ہوا تو اس وقت پیدل چند گلیاں دور درس گچھیا جا رہی تھیں۔ وہاں تک پہنچنے سے پہلے شدت سے درد میں واپسی کا راستہ اختیار کیا۔ شدید تکلیف میں پسینے سے بے حال گھر پہنچیں۔ ڈاکٹر اور ہسپتال کے بجائے رب کے حضور نماز کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ بعد میں پوچھا کہ آپ ڈاکٹر کے پاس کیوں نہ گئیں۔ کہا درد کا احساس کم ہو گیا تھا۔ کہنے لگیں درد تو کچھ ایسا تھا جیسے کوئی بار بار خنجر گھسا کر نکال رہا ہے لیکن میں چاہتی تھی کہ ہسپتال میں نہیں نماز کی حالت میں رب کے حضور حاضر ہوں۔

بعد میں بھی اپنی بیماری اور تکلیف کا کبھی تذکرہ نہیں کیا۔ کہتی تھیں بیماری کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تکلیف کا ذکر کرنے سے وہ بڑھتی ہے۔ ہارٹ اٹیک کے بعد کے تین سال اس قدر مشغول و مصروف گزارے کہ لوگ ان کی بیماری کو بھول ہی گئے۔ نہ انہوں نے خود کبھی اس کو یاد کیا یا کروایا۔ ان کی صبح اکثر فجر سے پہلے ہوتی۔ تہجد، فجر، تلاوت قرآن اسامہ بھائی کے ساتھ ناشتہ کرتیں پھر بعد میں واک کے لئے چلی جاتیں۔ نو بجے واپس آ کر مدرسے جاتیں جہاں کلاس لیتیں۔ بارہ ساڑھے بارہ بجے واپس آتیں کھانے اور نماز

کے بعد کچھ دیر آرام کرتیں اور پھر درس کے لئے چلی جاتیں۔اس معمول کے درمیان خاندان محلے اور سہلیوں سے ملاقاتیں بھی جاری رہتیں۔آخری دن تک یہ ہی معمول تھا۔

مزاج میں غصہ تھا لیکن خود اپنی کوششوں سے اسے دھیما کیا تھا۔محبت کا سمندر تھیں۔بہوئیں انتہائی چہیتی...... داماد میں سے ہر ایک مِیْغیث تھا کہ ہم سے زیادہ محبت کا تعلق ہے۔

زندگی میں ہر اونچ نیچ اور مشکل وقت کو صبر اور استقامت کے ساتھ گزارا، بعض دفعہ قریبی لوگوں کو معاملات کی گہرائی کا اندازہ ہی نہیں ہوتا بعد میں بھی تذکرہ نہ کرتیں۔اسامہ بھائی جماعت کے کاموں کے سلسلے میں ہمیشہ رات کو دس گیارہ بجے آتے۔انتظار کرتیں لیکن ہم نے کبھی ان سے شکوہ نہ سنا۔آخری سفر کے لئے ذہنی طور پر مکمل تیار تھیں لہٰذا پہلے سے بہوؤں کو ہدایت تھی کہ مجھے نہلانے کے لئے کپڑوں کو سائڈ سے کاٹ کر علیحدہ کرنا تاکہ بعد میں کوئی استعمال کر سکے۔انتقال کے وقت انتہائی پُرنور چہرہ تھا۔رب حقیقی سے ملاقات کا شوق چہرے پر پھیلی شرمیلی مسکراہٹ اور اطمینان کی کیفیت سے ظاہر تھا۔ان شا اللہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنی پیاری بندی کے استقبال کے لئے فرشتوں کو خصوصی ہدایت دی ہوگی اور مہمان نوازی کے بہترین انتظامات کروائے ہوں گے۔اللہ تعالیٰ مشعل آپی کے تمام متعلقین، رشتے داروں، سہیلیوں، پڑوسیوں اور محبت کرنے والوں کو ان کے لئے بہترین صدقہ جاریہ بنائے۔(آمین)

میرے دلی احساسات کا کچھ اظہار نعیم صدیقی کے ان اشعار سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنی بہن کی یاد میں کہے تھے۔

بہت سے چہروں میں ممتا زتیر اروئے صبیح
کہ جس کے سامنے حورِ سحر بھی شرمائے
عجیب لمحۂ رقت کا سامنا ہے مجھے
دھڑکتا دل نہ یکایک پگھل کے بہہ جائے
محبتیں تو اُمڈتی رہیں گی دنیا میں
ترے خلوص کی خوشبو کہاں سے آئے گی
تری دعائیں ترے مشورے، ترے شکوے
وہ مشفقانہ تری خو کہاں سے آئے گی

☆☆☆

محرم ہر سال آتا ہے اور ہر مسلمان اسے اپنے طریقے

ڈاکٹر شگفتہ نقوی

چند اہم اخلاقی اصول

جن کو اپنا لیا جائے تو گھروں اور معاشرے میں امن قائم ہوسکتا ہے

سے منا تا ہے یا اُس سے کچھ حاصل کرتا ہے۔ آخر محرم میں ایسی کیا بات ہے کہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اس کی یاد اور آب و تاب میں کمی نہیں آئی بلکہ ہر سال پہلے سے زیادہ لوگ مل کر امام حسینؓ ابن علیؓ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کا غم مناتے ہیں۔ محرم دراصل اسلام کا وہ پیغام ہے جو ساری کائنات، ساری انسانیت کے لیے ہے۔

ایک شاعر نے کہا ہے ۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؓ

دنیا جب سے بنی ہے یہاں خیر و شر کی جنگ جاری ہے قابیل کا ہابیل کو حسد کی بنا پر قتل کر دینا ان اس کی ابتدا تھی۔ چنانچہ جہاں جہاں ظلم ، استحصال، جبر، نا انصافی، اور شر ہوگا وہاں وہاں مظلوموں کے ساتھ امام حسین بھی کھڑے دکھائی دیں گے کہ ظلم کے آگے سر نہیں جھکانا اس کا مقابلہ کرنا ہے اسے مٹانا ہے اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار کو نافذ کرنا ہے۔

واقعہ کربلا کو آپ غور سے پڑھیں یا سنیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ حق پر قائم رہنا پھر اس کے راستے میں جو بھی تکلیف، آلام، بھوک، پیاس، جدائی، قربانی، قید برداشت کرنی پڑے اسے صبر، تسلیم و رضا، حوصلہ، شجاعت ، وقار، معافی، درگزر، محبت، بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت، خودداری، عدل، مکمل یقین اور غیر متزلزل ایمان کے ساتھ سب کچھ برداشت کرتے چلے جائیں۔ اس نکتہ نظر سے دیکھیں تو واقعہ کربلا ایک تربیت کا ادارہ ہے کہ مخالف فریق یا دشمن جو بھی کرے یا کہے آپ نے غصہ نہیں کرنا، صبر کرنا ہے، استقامت دکھانی ہے۔ کیسی ہی آزمائش ہو آپ کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئے۔ یہ تبھی ہوسکتا ہے کہ آپ کو اپنے فیصلے اور راستے کی صداقت کا یقین ہو۔

آغوش رسالت سے تربیت پانے والے نواسۂ رسولؐ سے بڑھ کر کس کا ایمان اور صداقت بلند پایہ ہوسکتا ہے، چنانچہ ان کے اس یقین پر سارے مسلمانوں کو اعتماد ہے اس لیے ہر سال سارے مسلمان اس پیغام سے سبق سیکھتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تربیت کے لحاظ سے پہلی قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو حسینؓ ابن علی کے کردار میں ڈھالنا ہے۔

سرفہرست ایمان یہ ہے کہ ہر حال میں پروردگارِ عالم کی رحمت سے پرامید رہنا اس کی مدد پر یقین رکھنا، اور حق کے لیے جہاد کرنا۔ یہ آپ تبھی کر سکتے ہیں جب آپ نے اپنے نفس کو اللہ پاک کے احکام کے تابع کر لیا ہو اور آپ کا نفس یا شیطان آپ کو گمراہ نہ کرنے پائے۔ دنیا کی چکاچوند یا اقتدار کسی قسم کا کوئی دباؤ قبول نہ کریں۔ اپنے نفس کی اطاعت نہ کریں بلکہ

نفس کو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع کرلیں۔

اس کے لیے پہلی چیز ہے کہ آپ غصہ نہ کریں۔ اپنے مزاج پر آپ کو پورا کنٹرول ہونا چاہیے کیونکہ جب غصہ آجاتا ہے تو عقل چلی جاتی ہے۔ پھر انسان کو پتہ نہیں چلتا کہ اس کی زبان سے کیسے لفظ ادا ہو رہے ہیں۔ بعد میں پشیمانی اور ندامت ہوتی ہے۔ غصہ کرنے والا اپنے آپ کو خود ہی تباہ و برباد کرلیتا ہے۔ اس کے اپنے پرائے اس کو پسند نہیں کرتے۔ اس سے دور ہو جاتے ہیں۔ وہ انسان غصے میں غلط فیصلے کرتا ہے جس کی وجہ سے اپنی اور اپنے گھر والوں کی زندگی برباد کرلیتا ہے۔

''ذرا سی ناگوار بات پر چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ ہو۔'' (القرآن)

غصے کے وقت اپنے مزاج، زبان اور ہاتھوں پر کنٹرول رکھنا ہی صبر کہلاتا ہے۔ قرآن پاک میں ان لوگوں کو کاظمین یعنی غصہ ضبط کرنے والے کہا گیا ہے۔

کربلا والے صبر کا روشن لقنار دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے مخاطب کی بات پر سیخ پا نہ ہونا اور حکمت سے اس کا جواب دینا ہی انسان کو اعلیٰ اخلاق کے مرتبے پر فائز کرتا ہے۔

مسجد نبوی ہے، صحابہؓ تشریف رکھتے ہیں، ایک جوان آتا ہے اور آکر حضرت سلمان فارسیؓ کو تضحیک سے مخاطب کرتا ہے کہ اے سلمان تیری داڑھی کے بال بہتر ہیں یا کتے کی دم کے بال اچھے ہیں۔ آپ بالکل غصہ نہیں کرتے بلکہ بڑے تحمل سے جواب دیتے ہیں کہ ایک دن مجھے مرنا ہے اس کے بعد یوم حشر ہوگا اور میری نیکیوں اور برائیوں کا وزن کیا جائے گا اگر میری نیکیاں برائیوں سے زیادہ نکلیں تو میری داڑھی کے بال بہتر ہیں اور اگر برائیاں زیادہ نکلیں تو کتے کی دم کے بال بہتر ہیں۔

اتنے جلیل القدر صحابیؓ کا یہ جواب میں پڑھ کر دنگ رہ گئی کہ اتنا صبر، حوصلہ اور کیسی حکمت ہے جواب میں.....غور کریں، ورنہ دنگا فساد ہو جاتا کہ کتنا بیہودہ سوال ہے لیکن وہ غصہ نہیں، علم، عقل اور حکمت کام کر رہی تھی اور یہ قربت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر تھا۔ جو شخص اپنے مخاطب کی بری سے بری بات سن کر صبر اور حکمت سے اس کا جواب دیتا ہے وہ دنیا کا کامیاب ترین شخص ہے۔ دنیا میں لڑائی، فساد، قتل، ناراضگی، طلاقیں، جدائیاں، دشمنی کی تہہ میں یہی غصہ اور اشتعال کارفرما ہوتا ہے۔ اس لیے دنیا میں جینے، رہنے اور کچھ بھی کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنی تربیت کیجیے تاکہ آپ اپنے لیے، اپنے خاندان، دوستوں، معاشرے، ملک وقوم کے لیے فائدے کا سبب بن سکیں۔ اس دنیا کے حسن میں اضافہ کرسکیں۔

حضرت علیؓ جنگ میں مصروف ایک کافر کے سینے پر سوار ہیں قریب ہے کہ اس کا سر قلم کردیں کہ وہ نابکار آپ کے منہ پر تھوک دیتا ہے۔ آپؓ غصہ کرنے کی بجائے فی الفور اس کے سینے سے اتر جاتے ہیں۔ اسے قتل نہیں کرتے۔ وہ حیران ہوکر پوچھتا ہے کہ آپ نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ جواب ملتا ہے۔ میں تجھے اللہ کا دشمن سمجھ کر قتل کر رہا تھا اب درمیان میں میرا نفس آ گیا۔ یعنی تمھارے اس فعل پر مجھے غصہ آ گیا۔ اب میں تم سے اس کا انتقام نہیں لوں گا۔ میں نے تمھیں معاف کردیا۔ وہ آپ کے پاؤں پر گر گیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

آپ اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں آپ کو کتنی ہی ایسی مثالیں نظر آئیں گی کہ ذرا سی بات تھی مگر غصے نے ایک برے انجام تک پہنچا دیا۔ چنانچہ سب سے پہلے بلکہ آج سے ہی اپنے دل میں عہد کریں کہ غصہ نہیں کرنا، سوچ سمجھ کر بہترین اخلاق اور حکمت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

دوسری بات سوئے ظن ہے۔ قرآن پاک میں بدگمانی سے منع کیا گیا ہے۔ بہت سے گمان گناہ ہوتے ہیں۔ محفل میں دو لوگ بات کر کے ہنس پڑتے ہیں ایک دور بیٹھا شخص دیکھ کر سوچتا ہے کہ انھوں نے میری بات کی ہے اب یہ گمان اس کے دل میں بیٹھ جاتا ہے اور اس کا رویہ یعنی عمل بدل جاتا ہے حالانکہ ضروری نہیں، ہوسکتا ہے انھوں نے کوئی اور بات کی ہو۔ ہمیشہ سوئے ظن سے بچیں۔ یہ ہوا میں تیر چلانے والی بات ہے اور ایمان کو بدگمانی دیمک کی طرح کھا جاتی ہے ہمیشہ یہ سوچیں کہ اللہ کی رحمت آپ کے ساتھ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بس بات ختم۔

زبان کے سلسلے میں حدیث پاک ہے کہ تم مجھے زبان کی حفاظت کی ضمانت دو میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

زبان کی حفاظت میں موٹی موٹی آٹھ چیزیں ہیں:

(۱) ہمیشہ سچ بولو زبان کو کبھی جھوٹ سے آلودہ نہ کرو۔ اللہ نے زبان اس لیے دی ہے کہ ذکر ادا کرو اور دین کی تبلیغ کرو۔

(۲) کسی کی غیبت نہ کرو۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اسے کبھی معمولی بات نہ سمجھو۔ آج کل سب سے زیادہ یہی گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ فون یا ملاقات پر جب بھی کسی تیسرے کا ذکر برے الفاظ میں آئے گا آپ اس گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

(۳) کبھی کسی کو بددعا نہ دیں۔ کیسا ہی ملال ہو یا اشتعال ہو، صبر کریں۔

(۴) کبھی کسی پر لعنت نہ کریں۔

(۵) کسی کا مذاق نہ اڑائیں۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ مرد مردوں کا اور عورتیں عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔ اس سے دل آزاری ہوتی ہے۔ دشمنی جنم لیتی ہے۔ خواہ مخواہ دوسرے کی ذلت اور رسوائی کا سامان ہو جاتا ہے۔ اپنی زبان کو مذاق کا عادی نہ بنائیں کیونکہ اس سے انسان کی آبرو ختم ہو جاتی ہے۔

(۶) وعدہ خلافی۔ اول تو آپ کسی سے وعدہ ہی نہ کریں۔ یہ آپ کا لوگوں پر احسان ہوگا۔ اگر کرنا ہی پڑ جائے تو اسے پورا کریں۔

(۷) اپنی تعریف کبھی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہ کرو وہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو جانتا ہے۔'' اس لیے خود پسندی اور خود ثنائی نہ کریں۔

(۸) طعنہ، طنز، شکوہ اور گلہ نہ کریں کیونکہ اس سے مخاطب کو ایذا دینا مقصود ہوتا ہے اور اپنے نفس کی بڑائی مقصود ہوتی ہے۔ یہ چیز عداوت کو جنم دیتی ہے اور دشمنی برے انجام تک لے جاتی ہے۔

آج کل دنیا سب سے زیادہ زبان کی آفات میں مبتلا ہے۔ اسی لیے میں نے محرم کے عنوان کے تحت اپنی تربیت کا سب سے ضروری ستون بیان کیا ہے کہ آج کل بھی ہمارے ہر طرف کربلا کا ہی منظر دکھائی دیتا ہے۔ لازم ہے کہ ہم سب

سے پہلے اپنی تربیت کریں۔ ہر شخص اگر اپنی زبان کی حفاظت میں مستعد ہو جائے تو نہ صرف ذاتی زندگی بلکہ معاشرے میں تبدیلی آئے گی۔ یہ کبھی نہ سوچیں کہ آپ صبر کر کے اور معاف کر کے خسارے میں رہیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کے گناہ معاف فرمائے گا اور آپ کے درجات بلند ہوں گے۔ شہدائے کربلا کا یہی پیغام ہے کہ حق اور امن قائم ہو جائے۔

❁❁❁

جب پاکستان کی تخلیق ہوئی تو صاحب بصیرت لوگوں

شہود ہاشمی۔ریاض

ہر گلی کوچے میں بازار لہو گرم ہوا

ایک تارکِ وطن کے احساسات

نے شہر کراچی کو ملک کا دارالخلافہ بنایا۔ بعد میں کچھ حالات ایسے بدلے کہ دہلی سے فتح پور سکری کی طرح پاکستان کے دارالخلافہ کو کراچی سے اسلام آباد منتقل کر دیا گیا۔ نتیجہ کے طور پر اس شہر کی ساری ترقی رک گئی لیکن پھر بھی اس شہر کی رونق، اس کی گہما گہمی تگا پوئے دمادم کے مصداق باقی رہی۔ تعلیم چلتی رہی ترقیات ہوتی رہیں۔ اس ملک کی تعمیر گچھیا خلوص دل سے تخلیق کی جاتی رہی۔ اس شہر کو روشنیوں کا شہر کہا جانے لگا۔ ملک کے دور پاس سے پاکستانی اس شہر کی طرف رخ کرتے رہے اللہ نے جو کچھ ان کے مقدر میں لکھا تھا اپنی بساط کے مطابق لوگ دن رات کی محنت سے کماتے رہے۔ نہ کوئی خوف نہ کوئی ہراس۔ سارے لوگ باہم مل جل کر رہتے تھے، ایک دوسرے کے دکھ درد میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ دن بھر محنت مزدوری کرنے والے رات کو بلا خوف وخطر ریلوے سٹیشن اور مختلف جگہوں سے پلنگ لے کر آرام کرتے رہے۔ ڈر تھا تو اللہ رب العزت کا، خوف تھا تو مرنے کے بعد آنے والے دن کا.....اللہ بس باقی ہوس.....

وقت کا پہیہ بڑی تیزی سے چکر کاٹتا رہا۔ شب وروز کی رونق آہستہ آہستہ معدوم ہوتی گئی۔ چاند گہنا گیا۔ بیرون ملک دشمنوں نے اپنی کوشش تیز سے تیز کر دیں اور سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اندرون ملک رہنما خوف خدا سے منہ موڑ کر دندناتے پھرتے رہے انہیں محمد علی جوہر، شوکت علی جوہر یاد نہیں رہے انہیں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید یاد نہیں رہے انہیں سرسید احمد خان جس نے علم کی روشنی سے مسلمانوں کے دلوں کو منور کیا یاد نہیں رہے انہیں علامہ محمد اقبال یاد نہیں رہے جنہوں نے کہا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کا
شغر

حتیٰ کہ انہیں بابائے قوم محمد علی جناح بھی یاد رہے جو اصول کے پہاڑ تھے اور جن کی مضبوط قوت ارادی سے ملک معرض وجود میں آیا۔ جب قوم کے رہنماؤں نے ایسی ایسی اہم شخصیات کو پس پشت ڈال دیا تو ملک ایک جھٹکے میں دولخت ہو گیا ٹوٹ گیا، لوگوں کا دل پاش پاش ہو گیا لوگ آہ وبکا کرتے رہے دھاڑیں مار کر روتے رہے کتنوں کے دل ساتھ چھوڑ گئے۔

جب آندھی تھمی گرد وغبار چھٹے مطلع صاف ہوا تو ساری حقیقت روز روشن کی طرح صاف نظر آنے لگی۔ چند سالوں کے سکتے کے بعد پھر شر نے سر اٹھایا پھر ایک بار انسان انسان

سے نفرت کرنے لگا۔تعصب کا جو بیج بویا تھا وہ اب ایک تناور درخت بن گیا۔لوگ علاقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔

اس مشہور حدیث کو بھی لوگوں نے پس پشت ڈال دیا جس میں بتایا گیا ہے کہ نہ عربی کو عجمی کے اوپر اور نہ عجمی کو عربی کے اوپر نہ کالے کو گورے کے اوپر اور نہ گورے کو کالے کے اوپر فوقیت حاصل ہے۔سوائے تقویٰ کے۔قبر میں اردو بول کر کوئی نہیں چھوٹ سکتا۔پشتو بول کر نجات حاصل نہیں کر سکتا پنجابی اور سرائیکی بول کر کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی۔عمل کا وہ راستہ جسے نبی صلعم نے بتایا اس پر چل کر انسان کامیاب ہو سکتا ہے۔

سلمان فارس کے ساتھ تھے بلال حبشہ کے تھے اور اویس قرنی کے تھے،صہیب روم کے تھے ان میں مقدم چیز تقویٰ تھا۔بہت کم لوگ رہ گئے ہیں جو ایک مسلمان اور پاکستانی سے پیار کرتے ہیں۔

جس مسلمان کا قتل ایک دوسرے کے لئے حرام قرار دیا گیا تھا آج دن دیہاڑے،سرعام قتل ہو رہا ہے۔کہتے ہیں کہ شہر کراچی میں روزانہ آٹھ دس قتل ہو رہے ہیں اس عمل میں قاتل ومقتولین دونوں کو معلوم نہیں کہ وہ کیوں قتل کیے جا رہے ہیں۔

ایک طرف پورا ملک بدامنی کا شکار ہے دوسری طرف شہر کراچی خون میں نہا رہا ہے ریلوے کا انظام تباہ ہو گیا ہے۔پی آئی اے تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی۔ملک کا واحد سٹیل مل برباد ہو رہا ہے ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی ہے حفظ وامان کا فقدان ہو گیا ہے۔کراچی سے بڑے بڑے Cotton ملز اور دیگر ملز بنگلہ دیش منتقل ہو رہے ہیں عجیب وغریب عالم ہے۔

حالیہ دورے میں میں نے محسوس کیا کہ سیاسی استحکام بالکل نہیں سماجی استحکام ختم ہو چکا ہے۔معاشرتی نظام درہم برہم ہو رہا ہے۔قانون کے پرخچے اڑائے جا رہے ہیں،لاء اینڈ آرڈر گھر محلے اور شاہراہوں سے لے کر بڑے بڑے علاقوں میں نہیں۔شہروں کے بعض علاقوں میں تو بالکل زندگی محفوظ نہیں۔

صاحب اقتدار مست ہاتھی کی طرح جھوم رہا ہے گزشتہ پانچ سالوں میں ملک میں جو تنزلی آئی ہے اسے ملک کی ترقی پر محمول کیا جا رہا ہے اور آئندہ آنے والے سالوں میں بھی اسی کی امید کی جا رہی ہے۔ہم حکومت کر کے مزید ترقی کے پروانوں سے دنیا کو نوازیں گے۔

ہم نے ملک میں جا کر بہت بے بسی محسوس کی۔اپنا ملک پیارا ملک آنکھوں کا تارہ ملک..... اس سکون قلب والے ملک میں ہر طرف خوف وہراس پھیلا ہوا دیکھا۔ٹی ٹی کلچر کا دور دورہ،پستول،بموں کا کھسکی.....شہر میں بھتہ خوری عروج پر۔

آخر یہ سلسلہ کب ختم ہوگا؟ بیرون ملک میں رہتے رہتے تھک گیا ہوں۔مشرق وسطیٰ کے ممالک اس معاملے میں عجیب وغریب ہیں کہ خواہ دس سال رہیں یا بیس سال یہاں شہریت کا نام ونشان نہیں۔ہم اچھے سے بہتر کی طرف نہیں بلکہ برے کی طرف جا رہے ہیں ہر طرف ہمارے سروں پر خروج Exit کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔آدھا خون تو ویسے ہی سوکھ جاتا ہے بقیہ اپنے ملک میں جا کر رہی سہی کسر

پوری ہوجاتی ہے۔ آمین یارب العالمین.....

☆☆☆

ہم مدینہ منورہ جاتے ہیں ہماری طرح کے بہت سارے لوگ رو رو کر حرم پاک میں پاکستان کی بہتری، استحکام اور ترقی کچھیا دعائیں کرتے ہیں ہر سال حج کرنے والوں میں بھی اضافہ دیکھتے ہیں لیکن جب پاکستان جاتے ہیں تو اس حج کا اثر معاشرے میں کسی بہتری کی صورت میں نظر نہیں آتا۔

کسی حکمران کو اس بات میں دلچسپی نہیں ہے کہ ملک میں قانون کی بالادستی ہو اور اس کا اثر معاشرے میں ہر جگہ نظر آئے۔ سماجی استحکام پیدا ہو، قتل وغارتگری اور مار دھاڑ کا بازار ختم ہو ہر جگہ امن چین سکون کا دور ہو، لوگ سکون کا سانس لیں ملک میں ترقی ہو۔ ایک اسٹیل مل کے بدلے دو تین سٹیل ملز ہوں۔ تعلیم عام ہو اور تعلیم کا معیار بلند ہو۔ تعلیم میں ہم کسی قوم سے پیچھے نہ رہیں۔ اور پوری دنیا میں اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کریں۔

ہم بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہیں کہ مولائے کائنات! ہمارے ملک پاکستان کی حفاظت فرما، ہم بہت کمزور ہیں آپ قوی ہیں آپ بااختیار ہیں اس کی تعمیر میں اور اس ملک کی تخلیق میں بے شمار لوگوں نے اپنی جانوں کی قربانی دی ہے بے شمار لوگوں نے اپنے گھر بار مال ومتاع لٹائے ہیں رشتے ناطے توڑے ہیں اپنوں سے منہ موڑے ہیں اے اللہ جنہیں تیرے دین سے محبت ہے جنہیں مسلمانوں سے محبت ہے جنہیں پاکستان سے محبت ہے انہیں صاحب اقتدار بنا تاکہ وہ خلوص دل سے پاکستان کی ترقی وترویج میں محنت کریں

سوال: ایک عام آدمی کچھیا دل کی حفاظت کے موٹے

امراض قلب سے بچاؤ

ایک پرائیویٹ کمپنی کے نمائندے نے اپنے ملازمین کی رہنمائی گچھیا بنگلور (انڈیا) کے ایک ماہرامراض قلب ڈاکٹر دیوی شتی سے دل کی بیماریوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے گچھیا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ پھراس نے عوام الناس کے فائدے گچھیا اسے انٹرنیٹ پر جاری کردیا۔ ذیل میں اس کا ترجمہ قارئین ''بتول'' کے استفادہ گچھیا دیا جارہا ہے: (ادارہ)

موٹے اصول کیا ہیں؟

جواب: 1- غذا، شکراور نشاستہ کم، گھی اور تیل کم، لحمیات زیادہ،

2- ورزش روزانہ آدھ شمیمہ کی سیر، پورا ہفتہ یا ہفتے میں کم ازکم پانچ دن جہاں ممکن ہوسواری کی بجائے پیدل چلنے کو ترجیح دیں۔ دیر تک بیٹھے رہنے سے پرہیز کریں۔

3- تمباکونوشی سے مکمل اجتناب

4- اپنے جسم کا وزن کنٹرول کریں۔

5- بلڈ پریشر شوگراور کولیسٹرول کنٹرول کریں۔

سوال: کیا ایسی غذا کھانا دل گچھیا اچھا ہے جس میں سبزیاں نہ ہوں۔ مثلاً مچھلی؟

جواب: نہیں

سوال: ایسی المناک خبریں ہم بھی سنتے رہتے ہیں کہ ایک بظاہر صحت مند انسان کا دل یکا یک بند ہوگیا۔ اس تناظر میں آپ اسے کیا سمجھتے ہیں؟

جواب: اسے خاموش حملہ کہا جاتا ہے۔ اس لیے ہم اس بات کی سفارش کرتے ہیں کہ تیس سال سے زائد عمر کے لوگوں کو اپنا معمول کا صحت کا معائنہ کرواتے رہنا چاہیے۔

سوال: کیا دل کی بیماری موروثی ہے؟

جواب: ہاں

سوال: دل ذہنی دباؤ کا شکار کیسے ہوتا ہے۔ اس وبا سے بچنے کی تدابیر کیا ہیں؟

جواب: زندگی کے ساتھ اپنا رویہ تبدیل کریں۔ ہر معاملے میں مثالی صورتحال کی امید نہ رکھیں۔ ایسی امیدیں نہ باندھیں جو ٹوٹ جائیں۔ دنیا میں سب کچھ انسان کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتا۔

سوال: کیا سیر کرنا دوڑ لگانے سے بہتر ہے یا دل کو صحت مند رکھنے گچھیا اس سے بھی زیادہ سخت ورزش کی ضرورت ہے؟

جواب: سیر کرنا دوڑ سے بہتر ہے۔ دوڑنے سے جلد تکان لاحق ہوجاتی ہے اور جوڑوں کی صحت متاثر ہوتی ہے۔

سوال: آپ نے غریبوں اور ضرورت مندوں گچھیا بہت کام کیا ہے۔ اس کی ترغیب آپ کو کیسے ہوئی؟

جواب: مجھے مدر ٹریسا کی زندگی سے ترغیب ملی۔ وہ میری مریضہ بھی تھیں۔

سوال: کیا کولیسٹرول کم عمری میں (شریانوں میں)

جمع ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ (میری عمر اس وقت بائیس سال ہے) یا ہمیں تیس سال کی عمر کے بعد ہی اس کے بارے میں فکر کرنی چاہیے؟

جواب: کولیسٹرول بچپن سے ہی جمع ہونی شروع ہو جاتی ہے۔

سوال: بے قاعدگی سے کھانا کھانے کی عادت دل پر کیسے اثر انداز ہوتی ہے؟

جواب: بے قاعدگی سے کھانے والے الم غلم غذا (JUNK FOOD) اپنے معدے میں بھر لیتے ہیں اس سے نظام ہضم متاثر ہوتا ہے اور ایسی غذا دل گچھیا بھی نقصان دہ ہوتی ہے۔

سوال: میں دوا استعمال کیے بغیر اپنے خون میں کولیسٹرول کی مقدار کو کیسے کنٹرول کر سکتا ہوں؟

جواب: اپنی غذا کنٹرول کریں (تیل کم کھائیں) سیر کریں، اخروٹ کھانا بھی مفید ہے۔

سوال: دل گچھیا سب سے اچھی اور سب سے بری غذا کون سی ہے؟

جواب: پھل اور سبزیاں سب سے اچھی ہیں اور تیل (چکنائی) سب سے بری ہے۔

سوال: کون سا تیل بہتر ہے، مونگ پھلی کا تیل، سورج مکھی کا تیل، یا زیتون کا تیل؟

جواب: سبھی تیل نقصان دہ ہیں۔

سوال: معمول کے صحت کے معائنہ میں کیا کیا شامل ہے؟ کیا کوئی خاص ٹیسٹ بھی ہے؟

جواب: خون کا معائنہ، شوگر، کولیسٹرول، بلڈ پریشر، ای سی جی، ایکو وغیرہ۔

سوال: دل کا دورہ پڑنے پر ابتدائی طبی امداد گچھیا کیا اقدام ضروری ہیں؟

جواب: مریض کو سیدھا لٹا دیں، اگر SORBITRATE کی گولی فوری مہیا ہو سکے تو اس کو زبان کے نیچے رکھ دیں۔ مریض کو جلد از جلد امراض دل کے مرکز میں پہنچا دیں کیونکہ دورہ پڑنے کے بعد پہلا ایک گھنٹہ بہت اہم ہے۔ زیادہ تر اموات اسی دوران ہوتی ہیں۔

سوال: آپ دل کے دورہ سے ہونیوالے اور معدہ کی تکلیف کے درد میں کیسے فرق کرتے ہیں؟

جواب: بعض اوقات فرق کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن ای سی جی سے پتہ چل جاتا ہے۔

سوال: نسبتاً کم عمر کے لوگوں میں دل کی بیماری کے بڑھتے ہوئے واقعات کی کیا وجہ ہے؟ ہم تیس چالیس سال کی عمر کے لوگوں میں بھی دل کا دورہ پڑنے اور دل کی خطرناک بیماریاں دیکھتے ہیں؟

جواب: ایک وجہ تو یہ ہے کہ لوگوں میں تعلیم کی وجہ سے بیماریوں کا شعور بڑھ گیا ہے اور دل کے زیادہ مریض تشخیص ہونے لگے ہیں۔ دوسری وجہ کاہل طرز زندگی، تمباکو نوشی، دل گچھیا نقصان دہ غذا (JUNK FOOD) کا استعمال اور ورزش کا فقدان ہونا ہے۔

سوال: کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کا بلڈ پریشر نارمل سے زیادہ اور پھر بھی وہ اپنے آپ کو بالکل صحت مند محسوس

کرے؟

جواب: ہاں یہ ہوسکتا ہے۔

سوال: ہم میں سے بہت سے لوگوں کے رزمرہ کے معمولات بے قاعدہ ہوتے ہیں۔کبھی ہمیں رات گئے تک دفتر میں کام کرنا پڑتا ہے۔کیا اس سے دل پر برا اثر پڑتا ہے؟ آپ کیا تجویز کرتے ہیں؟

جواب: جب آپ نوجوان ہوتے ہیں تو قدرت آپ کی حفاظت کرتی ہے لیکن عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ احتیاط کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

سوال: کیا زیادہ چائے یا کافی کے استعمال سے دل کا دورہ ہوسکتا ہے؟

جواب: نہیں

سوال: کیا دمہ کے مریضوں کو دل کی بیماری کے امکانات زیادہ ہیں؟

جواب: نہیں

سوال: JUNK FOOD سے آپ کی کیا مراد ہے؟

جواب: تلی ہوئی (FRIED) غذا جیسے KFC، میکڈونلڈ، سموسے، NUGGETS وغیرہ۔

سوال: کیا خون میں سفید ذرات یا ہیموگلوبن کی کمی دل کی بیماری کا سبب بن سکتے ہیں؟

جواب: نہیں.....لیکن ہیموگلوبن پوری ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اس سے ورزش کرنے میں آسانی ہوتی ہے جو دل کچھیا مفید ہے۔

سوال: کبھی مصروف زندگی کی وجہ سے ہم ورزش کچھیا وقت نہیں نکال سکتے ایسی صورت میں اپنے معمولات کے دوران اگر ہم چلتے پھرتے رہیں سیڑھیاں چڑھیں اور جسمانی طور پر متحرک رہیں تو کیا۔ورزش کا نعم البدل ہوسکتا ہے؟

جواب: یقیناً ہوسکتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ آدھ شمیمہ سے زیادہ مسلسل بیٹھے رہنے سے گریز کریں۔آپ کا اپنی کرسی پر سے اٹھ کر دوسری کرسی پر جا بیٹھنا بھی مفید ہوگا۔

سوال: کیا دل کی بیماری اور شوگر کی بیماری کا آپس میں کوئی تعلق ہے؟

جواب: جی ہاں، بہت زیادہ تعلق ہے۔شوگر کے مریض عام لوگوں کی نسبت بہت جلد دل کی بیماری کا شکار ہوتے ہیں۔

سوال: دل کا آپریشن کرنے کے بعد مریض کو کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنی ضروری ہیں۔

جواب: غذا کا پرہیز، ورزش، دوائیں وقت پر استعمال کریں۔کولیسٹرول کو کنٹرول کریں۔ بلڈ پریشر اور وزن بڑھنے نہ دیں۔

سوال: کیا رات کی شفٹ میں کام کرنے والے دن کی شفٹ کے مقابلے میں دل کے مرض کا زیادہ شکار ہوجاتے ہیں۔

جواب: نہیں

سوال: کیا ڈسپرین اور دوسری سردرد کچھیا استعمال کی جانے والی دواؤں سے دل کی بیماری میں اضافہ ہوجاتا ہے؟

جواب: نہیں۔

سوال: دل کا دورہ پڑنے کے واقعات عورتوں کی نسبت مردوں میں زیادہ کیوں ہوتے ہیں؟

جواب: قدرت 45 سال کی عمر تک عورتوں کی دل کی بیماری کے خلاف حفاظت کرتی ہے۔ لیکن اس کے بعد پھر زیادہ فرق نہیں رہتا۔

(انتخاب وترجمہ: ڈاکٹر مقبول احمد شاہد)

☆☆☆

انار کا نباتاتی نام پونیسا گرانٹاٹم ہے(Punica grantatum)

انار کھایئے بیماریاں بھگایئے

ہے۔ یہ سرخ یا ہلکے بھورے رنگ کا ہوتا ہے۔ سرخ انار میں سرخ رنگ کے دانے اور بھورے رنگ کے انار میں سفید دانے ہوتے ہیں۔ کسی میں سفید اور سرخ دونوں بھی ہوتے ہیں اور جوس سے بھرے ہوتے ہیں۔ جنوب مغربی ایشیا میں سب سے زیادہ انار پایا جاتا ہے۔ مغرب میں سب سے زیادہ انار سپین میں ہوتا ہے۔ مئی جون میں اس کی کونپلیں پھوٹتی ہیں اور ستمبر، اکتوبر میں پک کر تیار ہوتا ہے۔

انار دانہ اور اسکے اوپر کا چھیچھڑ طب یونانی والے بطور دوا استعمال کرتے ہیں۔ انار کا جوس شربت بنانے میں استعمال ہوتا ہے۔

میٹھا انار دانہ: قلب، جگر اور گردہ کو قوت دیتا ہے۔ خون بناتا ہے۔ کثرت استعمال سے نفخ (ریح) پیدا کرتا ہے۔ پیشاب آور ہے۔ گرم مزاجوں کچھیا عمدہ غذا ہے۔ پیاس کو تسکین دیتا ہے۔ اعضائے رئیسہ کو تقویت دیتا ہے۔

کھٹا انار دانہ: قابض، مقوی قلب وجگر، تسکین صفرا خون، سینے کی سوزش مٹاتا ہے، معدہ وجگر کی گرمی کو تسکین دیتا ہے صفرا کا مانع ہے۔ متلی اور قے کو روکتا ہے۔ پیشاب خوب لاتا ہے۔ انار ترش میں انار شریں کی نسبت قوت زیادہ ہے۔ پیس کر پینے سے پیٹ کے کیڑوں کو خارج کرتا ہے۔ گرمی کے یرقان میں فائدہ مند ہے۔

جڑ کی چھال: اس کی جڑ کا جوشاندہ پیٹ کے کیڑوں کچھیا مفید ہے۔ اس کے اور روغن بید انجیر بقدر مناسب پلانے سے کیڑے خارج ہوجاتے ہیں۔ اس کے پھول کلیاں اور پتے قابض اور خواتین کی مخصوص بیماریوں میں مفید ہوتے ہیں۔

مغربی ڈاکٹروں نے بھی اپنی تحقیق کی بنیاد پر انار کی بہت تعریف کی ہے۔ انار کا رس سنگ زنی میں بہت مفید ہے۔ یہ گردوں کے مریضوں کچھیا صحت وشفا کا سامان کرتا ہے۔ اسکی اہم خاصیت اس میں کثیر مقدار میں موجود پولی فینول (Poly Phenol) مریض کے گردوں کے خلیات کو فری ریڈیکلز سے پہنچنے والا نقصان دور کردیتا ہے۔ مشی گن یونیورسٹی کے ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ گردوں کچھیا انار سے زیادہ مفید کوئی اور شے ہو ہی نہیں سکتی۔ ہر ہفتے انار کے چند پیالے پینے سے گردوں کی انفکشن میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔

انار کا رس آنتوں کے عمل کو تیز کر کے معدے کو اپنا کام ٹھیک طرح کرنے کے قابل بناتا ہے۔ خونی دست کے مریض کو انار کا رس پلانا چاہیے۔

تندرستی میں انار کا رس پینے سے پیشاب کھل کر آتا ہے اور جسم کے زہریلے مادے باہر نکل جاتے ہیں۔

بھوک نہ لگنے کی شکایت میں انار بہت فائدہ مند ہے، بوقتِ صبح انار کے دانوں پر نمک اور کالی مرچ چھڑک کر کھائیں۔

☆☆☆

بچوں کو دست آرہے ہوں تو انار کی کونپلیں پیس کر چٹنی کی طرح بنالیں اسے مناسب مقدار میں چینی ملا کر پینے سے جسم کی گرمی دور ہوتی ہے اور یہ شربت مقوی بھی ہے۔

انار کھانے کا بہترین وقت دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کا ہے۔ بدہضمی کی شکایت ہوتو انار استعمال کرنے سے خاص فرحت اور تازگی حاصل ہوتی ہے۔دماغی کام کرنیوالوں کو تیسرے پہر انار کھانا چاہیے۔تھکن اتارنے ،تفریحِ قلب اور جسمانی توانائی گچھیا بہترین پھل ہے۔دانوں کا رس نکال کر نوش کریں یہ رس زندگی اور طاقت بخشے گا۔جن لوگوں کے چہرے زرد ہوتے ہیں بدن میں خون بھی کم ہوتا ہے اگر وہ انار کا باقاعدہ استعمال کریں تو چہرے کا رنگ نکھر جاتا ہے۔

اکسیر چشم میں انار کا استعمال: میٹھے انار کے دانوں کا پانی نچوڑ لیں اور اس کو ایک بوتل میں بند کر کے دھوپ میں رکھ دیں یہاں تک کہ پڑے پڑے گاڑھا ہوجائے۔ دوا تیار ہے۔صبح کے وقت یا رات سوتے وقت اس میں سے ایک ایک سلائی لگانا ہی کافی ہے۔نظر کی کمزوری کی نہایت اعلیٰ مگر آسان اور ارزاں دوا ہے۔

دست: انار کو تجہیز سمیت کوٹ کر پانی نکال لیں اور دستوں کے مریض کو تین تولہ سے پانچ تولہ تک پلا دیں۔ دست بہت جلد بند ہو جائیں گے۔

پیٹ کا درد: انار ترش یا شریں جو بھی مل سکے لے کر دانے نکال لیں اور ان میں نمک اور سیاہ مرچ پیس کر شامل کر دیں اور کھلا دیں ہر قسم کا پیٹ کا درد فوراً دور ہو جاتا ہے۔

(استفادہ: ڈاکٹر خالد محمود، انٹرنیٹ)

اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت پر احسانِ عظیم کیا کہ محسن

گستاخِ رسولؐ کو جواب کیا ہو؟

انسانیت کو مبعوث فرمایا۔ وہ رحمۃ اللعالمینؐ اور "کآ فة للناسؐ" بشیرؐ اور نذیرؐ بنا کر بھیجے گئے۔ واقعی یہ قومیں نہ اس احسان سے واقف ہیں نہ انکی رحمت کی چھتری سے فائدہ اٹھا رہی ہیں اور نہ ہی ان خوشخبریوں پہ کان دھرتی ہیں نہ ہی ان خطروں، عذابوں سے خبردار کئے جانے پر چونک جاتی ہیں

یٰحسرةً علی العباد!یٰحسرةً علی العباد!

بدنصیب اور بدبخت قوموں اور لوگوں نے ہمیشہ رسولوں کا مذاق اڑایا۔ بنی اسرائیل کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہر نبی کی شان میں گستاخی کی۔ کسی کو قتل کیا۔ جھٹلایا اور مذاق اڑایا بے سروپا قصے گھڑے، بہتان، الزام تراشی اور کردار کشی کی۔ اسی کی پاداش میں وہ غضب کی مستحق ہوئیں اور تاریخ سے ان قوموں نے کوئی سبق نہ سیکھا بلکہ اپنی بدبختی میں اضافہ کیا۔

آج دل مغموم اس لئے نہیں کہ نصاریٰ اور یہود نے اپنے نبیوں کا اور خاتم النبیّن کو مذاق کا نشانہ بنایا۔ آج تو غم اس بات ہے کہ خاتم النبیین کی امت اپنے نبیؐ کی شان میں گستاخی کرنیوالوں سے اس بات کا اظہار کرتے ہی بپتسما ہے کہ ہمارے "ایمان" خطرے میں ہیں۔ اپنی جان، مال ،اقتدار، جاہ وحشمت کے کم ہوجانے، چھن جانے کا خوف اپنے ایمان کے چھن جانے سے زیادہ ہے۔ دنیا کی محبت غالب ہے، اس محبت پہ کہ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کو راضی کیا ہی نہیں جاسکتا۔

محبت کے دعوے ہی دعوے ہیں۔ جب امتحان کا وقت آتا ہے تو زبانیں گنگ ہوجاتی ہیں، دل تنگ ہونے لگتے ہیں۔ ان لوگوں میں ایسے بھی لوگ ہیں جن کے اعصاب پہ "فرعونوں" کا تو خوف ہے مگر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوئی خوف نہیں۔

سچی بات ہے کہ امت کے درمیان اپنے نبیؐ سے محبت کرنیوالوں میں کسی کا شمار نہیں ہوتا۔ عوام الناس کو شعور نہیں اور شعور دلانے والوں کو حکمت سے واسطہ نہیں۔ محبت کیا ہوتی ہے؟ اور محبوب کو ایذا دینے والوں کے ساتھ کیا رویہ ہونا چاہیے؟ وہ محبوب عالم اور محبوب رب العالمین کہ جس کو ایذا پہنچانے والوں کچھیا دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے۔

امت مسلمہ کے حکمرانو! اپنی اپنی عوام کی رہنمائی کرنے والو، ہوش کے ناخن لو، اللہ کے نبیؐ کی شان میں گستاخی پر سب سے زیادہ پکڑ تمہاری ہوگی۔ اس لئے کہ مادی وسائل تمہارے قبضے میں ہیں۔ عوام الناس کی باگ ڈور تمہارے ہاتھ میں ہے۔ دوسری قوموں سے مقابلے کا حق تمہارے پاس ہے۔ اپنی عوام کو درست سمت کا شعور دو۔ ایمان کا جگاؤ اپنی ہی املاک اور اپنے لوگوں کو (حکومت اور عوام) ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے باز رکھو۔ احتجاج کی

درست راہ دکھاؤ۔ دشمنوں کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع نہ دو۔ کہ جو کام ہم سے نہ ہوسکا وہ یہ باہم وگردست وگریباں ہوکر خود ہی کررہے ہیں، اپنے اپنے ملکوں میں فتنہ کا باعث بن رہے ہیں.....فتنہ جو کہ قتل وغارت سے زیادہ برا ہے۔

انفرادی طور پر ہر فرد کچھ ایسا رویہ اختیار کرے کہ اپنے رنج، پیارے نبیؐ کی شان میں گستاخی پر غم اور غصے کا اظہار کرے جیسے ہوسکے، زبان سے، قلم سے، اختیارات سے، رہنمائی کرنے والا کوئی نہ ملے تو اپنے رب سے پوچھے۔ اسی نبیؐ سے پوچھے جو کہ سردارِ دو جہاںؐ ہے.....جن کی شان میں گستاخی ہوئی ہے..... وہ آپ سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ کیا خواہش ہے؟ وہ آپ کو اور مجھے کیسا اور کیا دیکھنا چاہتا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''اگر مجھ سے محبت ہے تو رسول کی اطاعت کرو۔'' اطاعت رسولؐ بھی محبت کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ سے محبت ہوگی تو وہ جواباً اپنے نبیؐ کی اطاعت گچھیا دل کو آمادہ ہوگا اور راہ آسان کردے گا۔ جب نبیؐ کی اطاعت آسان ہوجائے گی تو اللہ اپنی محبت میں اضافہ فرمادے گا۔ یہود ونصاریٰ کو یہی تو حسد ہے، یہی تو غصہ اور غم ہے کہ وہ اللہ کے لاڈلے تھے۔'' اب یہ لاڈ اور پیار کیوں دوسری طرف منتقل ہوگیا ہے۔ اور وہ اسی حسد میں ہمارے اور اللہ ورسولؐ کے درمیان محبت کو سبوتاژ کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ اور اس کے رسولؐ کو ایذا پہنچانے والوں میں شامل ہوکر خود کو عذاب کا مستحق نہ بناؤ۔

کیا محبت، شفقت اور نگاہ کرم کو ٹھکرا دینا آزار کا باعث نہیں ہوتا؟

کیا خطرے سے خبردار کرنے والے کو تسلیم نہ کرنا، تکلیف دہ نہیں ہوتا؟

کیا آگ میں جانے سے روکنے والے کا ہاتھ جھٹک دینے سے اس کو خوشی محسوس ہوتی ہے؟

کیا مسلمانوں کو اتحاد واتفاق سے رہنے گچھیا ایک مضبوط ''رسی'' دینے والا، اس کو چھوڑ چھاڑ دینے پر رنجیدہ اور غمگین نہ ہوگا؟

کیا آپ کے اور میرے طرز زندگی سے وہ ہستی راضی وخوش ہوگی؟ یا پھر دنیا کے ساز وسامان کی فراوانی کے پیچھے بھاگنے پر ملول ہوگی؟

اے امت مسلمہ!

اپنے نبیؐ کی شان میں گستاخی پر کوئی ایسا ردعمل ظاہر کرو کوئی ایسا بدلہ لو، کوئی ایسی چال چلو، جو ازلی وابدی ٹھوس انتقام ہو.....جس کا توڑ نہ ہو.....جس کا جواب کوئی نہ ہو۔

حاسد سے بدلہ لینے کا یہ بہت اچھا انتقام ہے کہ جس کام سے وہ حسد کرتا ہے۔ جس چیز سے اس کو جلن ہوتی ہے، جس مرتبہ ومقام سے اس کا کلیجہ جلتا ہے..... مل کر کیا جائے..... وہی حاصل کیا جائے۔ اس کو مشن بنا لیا جائے، زندگی کی ترجیحات میں اسی کام کو سرفہرست رکھا جائے۔ یہی نصب العین ہو۔ ہمارا ہر لمحہ اس نبیؐ کی فرماں برداری میں گزرے تاکہ ہم اس منصب کا حق ادا کرسکیں جو ہمیں دنیا کی ہر قوم سے ممتاز کرتا ہے۔ اور یہی شانِ امتیاز حاسدوں گچھیا تیر وتفنگ بن جائے اور دنیا جان لے۔

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِؐ ہاشمی

☆☆☆

زیب اسد۔ لاہور

محشر خیال

آپ کی ٹیم ماشاء اللہ احسن طریقے سے بتول کی کارکردگی میں رواں دواں ہے۔ اللہ کرے کہ یہ مزید پھلے پھولے۔آمین۔

ہمارے علاقہ میں خواتین بہت شوق سے بتول پڑھتی ہیں۔ بتول ضلع قصور میں نہیں جاتا ، وہاں کی ناظمہ کو توجہ دلائیں کہ وہ بتول منگوایا کریں۔ بتول کے ایک افسانے میں لکھا گیا ہے کہ بہو پر ساس سسر کی خدمت فرض نہیں ہے۔ کیا خاوند کے والدین رشتہ دار نہیں ہیں۔ جبکہ قرآن پاک میں بار بار شرک کے بعد والدین کی اطاعت ہے اور رشتہ داروں کے حقوق کی تلقین ہے۔ ایک خاتون نے روتے ہوئے بتایا کہ اس کے دو بیٹے ہیں، شوہر کا انتقال ہو چکا ہے۔ میں نے بڑے بیٹے کی شادی بڑی شان وشوکت سے کی ہے،اب بہو میری اور چھوٹے بیٹے کی جو میٹرک میں ہے، روٹی پکانے سے انکاری ہے چھوٹا بیٹا بازار سے کھانا لاتا ہے۔ میں شوگر اور بی پی کی مریض ہوں۔ تنور کی روٹی نہیں کھا سکتی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ بہو پر خاوند کے علاوہ اور کسی کی ذمہ داری نہیں ہے، کیا قرآن اور سنت سے اس بات کا کوئی ثبوت ہے جبکہ اسلام تو جانوروں کو بھی بھوکا رکھنے سے منع کرتا ہے۔ بیٹا ہمہ وقتی ملازمہ نہیں رکھ سکتا۔ وہ صبح کا ناشتہ ماں کو کروانے کے بعد آفس چلا جاتا ہے۔ اب سارا دن بہو کے علاوہ کون بزرگوں کی دیکھ بھال کر سکتا ہے۔ایک اور بات کسی نے کہی ہے کہ بہو کوئی نوکر ہے جو کسی کی خدمت کرے۔ میں یہ سوال کرتی ہوں، کیا خاوند نوکر نہیں ہے؟ ہر انسان ایک دوسرے کا نوکر ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے۔ایک بہو جو پوتے کی بیوی ہے، اپنے دادا سسر کی بے انتہا خدمت کرتی ہے۔ وہ دعائیں دیتے ہیں۔ تمہارے بچے نیک اور لائق ہوں۔ تمہارے والدین کو اللہ صحت دے جنہوں نے اپنی خدمتگار بیٹی ہمیں دی ہے۔اللہ تمہارے رزق میں اضافہ کرے۔اسکی کی دونوں بیٹیاں ڈاکٹر بن گئی ہیں اور بیٹا ایچیسن کالج میں پڑھنے کے بعد مزید تعلیم گچھیا کینیڈا چلا گیا ہے۔ وہ سب کو بتاتی ہے کہ یہ سب میرے دادا سسر کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

کیا عورتوں میں ساس ماں شامل نہیں؟ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبیؐ نے فرمایا ''جو انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو اس کی روزی کشادہ ہو اس کو چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔(الترغیب والترہیب)

کیا سسرال کا شمار صلہ رحمی میں نہیں ہے؟ عقلمند کہتے ہیں کہ ساس سسر گھر کا تالا ہوتے ہیں۔ گھر کی حفاظت کرتے ہیں۔ بیٹا بہو سیر کو جائیں ضروری کام گچھیا جائیں، بزرگ بچوں کو سنبھالتے ہیں، گھر کے چھوٹے موٹے کام کرتے ہیں،سودا سلف لاتے ہیں وہ اپنی پنشن میں سے بچوں گچھیا تحفے لاتے ہیں۔شادی سے پہلے لڑکی والدین کے گھر میں والدین کی خدمت کرتی ہے۔شادی کے بعد یہاں پر اپنے نئے والدین کی خدمت کرنی چاہیئے، ہر انسان ایک دوسرے کے سہارے کا محتاج ہے۔

☆☆☆